اللہ اکبر

سلسلۂ مضامین حضرت مولینا ابو الکلام صاحب آزاد

نمبر ۱۶

مکمل بیان مولانا ابو الکلام آزاد

امام الاحرار حضرت مولانا ابو الکلام صاحب آزاد مدظلہ العالی

کا وہ معرکتہ الآرا بیان جو مجسٹریٹ کلکتہ کی کچہری میں دیا

مرتبہ

منشی مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

باہتمام لالہ ہرنام داس صاحب گپتا

سوراج پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت ۳ر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بیان حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد مدظلہ العالی

میرا ارادہ نہ تھا کہ کوئی تحریری یا تقریری بیان یہاں پیش کروں۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہمارے لئے نہ کسی طرح کی امید ہے نہ طلب ہے۔ نہ شکایت ہے۔ یہ ایک موڑ ہے جس سے گزرے بغیر ہم منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے تھوڑی دیر کے لئے اپنی مرضی کے خلاف یہاں دم لے لینا پڑتا ہے۔ یہ نہ ہوتی تو ہم سیدھے جیل چلے جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ دو سال کے اندر میں نے اس کی ہمیشہ مخالفت کی کہ کوئی نان کواپریٹر کسی طرح کا بھی حصہ عدالت کی کارروائی میں لے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی سنٹرل خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء ہند نے اگرچہ اس کی اجازت دیدی ہے کہ پبلک کی واقفیت کے لئے تحریری بیان دیا جاسکتا ہے لیکن ذاتی طور پر میں لوگوں کو یہی مشورہ دیتا رہا کہ خاموشی کو ترجیح ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص اس لئے بیان دیتا ہے کہ مجرم نہیں اگرچہ اس کا مقصد پبلک کی واقفیت ہو تاہم وہ اشتباہ سے محفوظ نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ اپنے بچاؤ کی ایک ہلکی سی خواہش اور سماعت حق کی ایک مزید سی توقع اس کے اندر کام کر رہی ہو۔ حالانکہ نان کواپریشن کی راہ بالکل قطعی اور یک سو ہے وہ اس بارے میں اشتباہ بھی گوارا نہیں کر سکتی۔

کامل مایوسی اس لئے کامل تبدیلی کا عزم

نان کواپریشن موجودہ حالت سے کامل مایوسی کا نتیجہ ہے اور اسی مایوسی سے کامل تبدیلی کا عزم پیدا ہوا ہے۔ ایک شخص جب گورنمنٹ سے نان کواپریشن کرتا ہے تو گویا اعلان کرتا ہے کہ وہ گورنمنٹ کے انصاف اور حق پسندی سے مایوس ہو چکا ہے۔ وہ اُس کی غیر منصف طاقت کے جواز سے منکر ہے اور اسی لئے تبدیلی کا خواہشمند ہے پس جس چیز سے وہ اس درجہ مایوس ہو چکا ہے کہ تبدیلی کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھتا اس سے کیونکر امید کرسکتا ہے کہ ایک منصف اور قابل بقا طاقت کی طرح اُس کے ساتھ انصاف کریگی۔

اس اصولی حقیقت سے اگر قطع نظر کرلیا جاوے جب بھی موجودہ حالت میں بریت کی امید رکھنا ایک بے سود زحمت سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ گویا اپنی معلومات سے انکار ہوگا۔ گورنمنٹ کے سوا کوئی ذی حواس اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ بحالت موجودہ سرکاری عدالتوں سے انصاف کی کوئی امید نہیں ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ ایسے اشخاص سے مرکب ہیں جو انصاف کرنا پسند نہیں کرتے بلکہ اس لئے کہ ایسے نظام (سسٹم) پر مبنی ہیں جس میں رہ کر کوئی مجسٹریٹ اُن ملزموں کے ساتھ انصاف نہیں کرسکتا جن کے ساتھ خود گورنمنٹ انصاف کرنا پسند نہ کرتی ہو۔

میں یہاں واضح کردینا چاہتا ہوں کہ نان کواپریشن کا خطاب صرف گورنمنٹ۔ گورنمنٹ کے سسٹم اور موجودہ حکومتی اور قومی اصولوں سے ہے افراد و اشخاص سے نہیں ہے۔

عدالت گاہ ناانصافی کا قدیم ذریعہ ہے

ہمارے اس دور کے تمام حالات کی طرح یہ حالت بھی نئی نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی حکمراں طاقتوں نے آزادی اور حق کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے ہیں تو عدالت گاہوں نے سب سے زیادہ آسان اور بےخطا ہتھیار کا کام دیا ہے عدالت کا اختیار ایک طاقت ہے اور وہ انصاف اور ناانصافی دونوں کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے۔ منصف گورنمنٹ کے ہاتھ میں وہ عدل و حق کا سب سے بہتر ذریعہ ہے لیکن جابر اور مستبد حکومتوں کے لئے اس سے بڑھ کر انتقام اور ناانصافی کا کوئی آلہ بھی نہیں ہے۔

تاریخ عالم کی سب سے بڑی ناانصافیاں میدان جنگ کے بعد عدالت کے ایوانوں ہی میں ہوئی ہیں۔

دنیا کے مقدس بانیان مذہب سے لے کر سائنس کے محققین اور منکشفین تک کوئی پاک اور حق پسند جماعت نہیں ہے جو مجرموں کی طرح عدالت کے سامنے کھڑی نہ کی گئی ہو۔ بلاشبہ زمانہ کے انقلاب سے عہد قدیم کی بہت سی برائیاں مٹ گئیں میں تسلیم کرتا ہوں کہ اب دنیا میں دوسری صدی عیسوی کی خوفناک رومی عدالتیں اور ازمنہ متوسط (مڈل ایجز) کی پراسرار "انکویزیشن" وجود نہیں رکھتی لیکن میں یہ ماننے کے لئے طیار نہیں کہ جو جذبات اُن عدالتوں میں کام کرتے تھے اُن سے بھی ہمارے زمانے کو نجات مل گئی ہے۔ وہ عمارتیں ضرور گرا دی گئیں جن کے اندر خوفناک اسرار بند تھے لیکن اُن دلوں کو کون بدل سکتا ہے جو انسانی خودغرضی اور ناانصافی کے خوفناک رازوں کا دفینہ ہے۔

ایک عجیب مگر عظیم الشّان جگہ

عدالت کی ناانصافیوں کی فہرست بڑی ہی طولانی ہے تاریخ آج تک اُس کے ماتم سے فارغ نہو سکی۔ ہم اُس میں حضرت مسیح جیسے پاک انسان کو دیکھتے ہیں جو اپنے عہد کی اجنبی عدالت کے سامنے چوروں کے ساتھ کھڑے کیئے گئے۔ ہم کو اُس میں سقراط نظر آتا ہے۔ جس کو صرف اس لئے زہر کا پیالہ پینا پڑا کہ وہ اپنے ملک کا سب سے زیادہ سچّا انسان تھا۔ ہم کو اس میں فرانس کے فدا کار حقیقت گلیلیو کا نام بھی ملتا ہے جو اپنی معلومات و مشاہدات کو اس لئے جھٹلا نہ سکا کہ وقت کی عدالت کے نزدیک اُن کا اظہار جرم تھا۔ میں نے حضرت مسیح کو انسان کہا۔ کیونکہ میرے اعتقاد میں وہ ایک مقدس انسان تھے جو نیکی اور محبّت کا آسمانی پیام لے کر آئے تھے۔ لیکن کروڑوں انسانوں کے اعتقاد میں تو وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں تاہم یہ مجرموں کا کٹھرا کیسی عجیب مگر عظیم الشّان جگہ ہے جہاں سب سے اچھے اور سب سے بُرے دونوں طرح کے آدمی کھڑے کیئے جاتے ہیں۔ اتنی بڑی ہستی کے لئے بھی یہ ناموزوں جگہ نہیں۔

حمد و شکر

اس جگہ کی عظیم الشّان و عمیق تاریخ پر جب میں غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ اسی جگہ کھڑے ہونے کی عزّت آج میرے حصّہ میں آئی ہے تو بے اختیار میری روح خدا کی حمد و شکر میں ڈوب جاتی ہے اور صرف وہی جان سکتا ہے کہ میرے دل کے سرور و نشاط کا کیا عالم ہوتا ہے میں مجرموں کے اس کٹھرے میں محسوس کرتا ہوں کہ بادشاہوں کے لئے قابلِ رشک ہوں اُن کو اپنی خوابگاہِ عیش میں وہ خوشی اور راحت کہاں نصیب جس سے میرے دل کا ایک ایک

ریشہ معمور ہو رہا ہے۔ کاش غافل اور نفس پرست انسان اس کی ایک جھلک ہی دیکھ پائے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سچ کہتا ہوں کہ لوگ اس جگہ کے لئے دعائیں مانگتے!

میں بیان کیوں دیتا ہوں

بہرحال میرا ارادہ نہ تھا کہ بیان دوں۔ لیکن ۶ر جنوری کو جب میرا مقدمہ پیش ہوا تو میں نے دیکھا کہ گورنمنٹ مجھے سزا دلانے کے معاملہ میں نہایت عاجز اور پریشان ہو رہی ہے حالانکہ میں ایسا شخص ہوں جس کو اس کی خواہش اور خیال کے مطابق سب سے پہلے اور سب سے زیادہ سزا ملنی چاہیئے۔ پہلے میرے خلاف دفعہ ۱۷-۲ ترمیم ضابطہ فوجداری کا دعوی کیا گیا تھا لیکن جب اس کا ویسا ثبوت بھی بہم نہ ہو سکا جیسا آجکل اثبات جرم کے لئے کافی تصوّر کیا جاتا ہے تو مجبوراً واپس لے لی گئی۔ اب ۱۲۴-الف کا مقدمہ چلایا گیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ بھی مقصد برآری کے لئے کافی نہیں۔ کیونکہ جو تقریریں ثبوت میں پیش کی گئی ہیں وہ اُن بہت سی باتوں سے بالکل خالی ہیں جو میں اپنی بیشمار تقریروں اور تحریروں میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں۔ اور جو شاید گورنمنٹ کے لئے زیادہ کارآمد ہوتیں۔

یہ دیکھ کر میری رائے بدل گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ جو سبب بیان نہ دینے کا تھا وہی متقاضی ہے کہ خاموش نہ رہوں اور جس بات کو گورنمنٹ باوجود چاہنے کے دکھلا نہیں سکتی اسے خود کامل اقرار کے ساتھ اپنے قلم سے لکھ دوں۔ میں جانتا ہوں کہ قانون عدالت کی رو سے یہ میرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔ میری جانب سے پراسکیوشن کے لئے یہی بہت بڑی مدد ہے کہ میں نے ڈیفنس نہیں کیا۔ لیکن حقیقت کا قانون عدالتی قواعد کی حیلہ جوئیوں کا پابند نہیں ہے یقیناً یہ سچائی کے خلاف ہوگا کہ ایک شخص صرف اس لیے پوشیدہ رہنے دی جائے کہ مخالف اپنی عاجزی کی وجہ سے ثابت نہ کر سکا

اقرار جرم

(۱) ہندوستان کی موجودہ بیوروکریسی ایک ویسا ہی حاکمانہ اقتدار ہے جیسا اقتدار ملک و قوم کی کمزوری کی وجہ سے ہمیشہ طاقتور انسان حاصل کرتے رہے ہیں۔ قدرتی طور پر یہ اقتدار قومی بیداری کے نشوونما اور آزادی و انصاف کی جد و جہد کو مبغوض رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ اس کی غیر منصفانہ طاقت کا زوال ہے اور کوئی وجود اپنا زوال پسند نہیں کر سکتا۔ اگرچہ از روئے انصاف کتنا ہی ضروری ہے یہ گویا تنازع للبقاء (MRNGGLE FOR EAISTCNCE.) کی ایک جنگ ہوتی ہے جس میں دونوں فریق اپنے اپنے فوائد کے لئے جد و جہد کرتے ہیں قومی بیداری چاہتی ہے کہ اپنا حق حاصل کرے۔ قابض طاقت چاہتی ہے کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے کہا جا سکتا ہے کہ پہلے فریق کی طرح آخر الذکر بھی قابل ملامت نہیں کیونکہ وہ اپنے بچاؤ کیلئے ہاتھ پیر مارتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کا وجود انصاف کے خلاف واقع ہوا ہو۔ عام طبیعت کی مقتضیات سے تو انکار نہیں کر سکتے؟ یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں نیکی کی طرح برائی بھی زندہ رہنا چاہتی ہے۔ وہ خود کتنی ہی قابل ملامت ہو۔ لیکن زندگی کی خواہش قابل ملامت نہیں ہے۔

ہندوستان میں بھی یہ مقابلہ شروع ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اگر بیوروکریسی کے نزدیک آزادی اور حق طلبی کی جد و جہد جرم ہو اور وہ اُن لوگوں کو سخت سزاؤں کا مستحق خیال کرے جو انصاف کے نام سے اس کی غیر منصفانہ ہستی کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نہ صرف اس کا مجرم ہوں بلکہ اُن لوگوں میں ہوں جنہوں نے اس جرم کی

اپنی قوم کے دلوں میں تخم ریزی کی ہے اور اس کی آبیاری کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کردی ہے۔ میں مسلمانان ہند میں پہلا شخص ہوں جس نے ۱۹۱۲ء میں اپنی قوم کو اس جرم کی عام دعوت دی۔ اور تین سال کے اندر اس غلامانہ روش سے ان کا رخ پھیر دیا جس میں گورنمنٹ کے پرپیچ فریب نے مبتلا کر رکھا تھا۔ پس اگر گورنمنٹ مجھے اپنے خیال میں مجرم سمجھتی ہے اور اس لئے سزا دلانا چاہتی ہے تو میں پوری صاف دلی کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کوئی خلاف توقع بات نہیں ہے جس کے لئے مجھے شکایت ہو۔

میں جانتا ہوں کہ گورنمنٹ فرشتہ کی طرح معصوم ہونے کا دعویٰ رکھتی ہے کیونکہ اس نے خطاؤں کے اقرار سے ہمیشہ انکار کیا۔ لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس نے مسیح ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ پھر میں کیوں امید کروں کہ وہ اپنے مخالفوں کو پیار کرے گی؟ وہ تو وہی کرے گی جو کر رہی ہے اور جو ہمیشہ استبداد نے آزادی کے مقابلہ میں کیا ہے۔ پس یہ ایک قدرتی معاملہ ہے جس میں دونوں فریق کے لئے شکوہ و شکایت کا کوئی موقعہ نہیں۔ دونوں کو اپنا اپنا کام کئے جانا چاہیئے۔

گورنمنٹ بنگال اور میری گرفتاری

(۲) میں یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا معاملہ جو کچھ تھا گورنمنٹ آف انڈیا سے تھا۔ وہ کسی خاص معین الزام کی بنا پر نہیں بلکہ موجودہ تحریک کی عام مشغولیت کی وجہ سے مجھے گرفتار کر سکتی تھی۔ اور جیسا کہ قاعدہ ہے گرفتاری کے لئے کوئی حیلہ پیدا کر لیتی۔ چنانچہ ملک میں عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ

علی برادر سے مجھے زیادہ مہلت دی گئی۔ مگر اب زیادہ عرصہ تک تغافل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یہ واقعہ ہے گورنمنٹ بنگال کے سامنے اس وقت میرا معاملہ نہ تھا نہ وہ دفعہ ۱۲۴۔ الف کا مقدمہ چلانا چاہتی تھی۔ اس دفعہ کے ثبوت میں جو تقریریں پیش کی گئی ہیں وہ نصف سال پہلے کلکتہ میں کی گئی ہیں۔ اور گورنمنٹ نے مقدمہ کی اجازت ۲۲ر دسمبر کو دی ہے۔ یعنی میری گرفتاری سے بارہ دن بعد۔ اگر فی الواقع ان تقریروں میں سڈیشن تھا تو کیوں مجھے ۶ ماہ تک گرفتار نہیں کیا گیا؟ اور اب گرفتار بھی کیا تو گرفتاری کے بارہ دن بعد؟ ہر شخص ان دو واقعات سے صاف صاف سمجھ سکتا ہے کہ صورت حال کیا ہے؟ خصوصاً جب یہ تیسرا واقعہ بھی بڑھا دیا جائے کہ ابتداء میں جو دفعہ ظاہر کی گئی وہ ۱۲۴ نہ تھی ۱۷ ترمیم ضابطہ فوجداری تھی پچیس دن کے بعد مجھ سے کہا جاتا ہے کہ وہ واپس لے لی گئی ہے۔

گرفتاری کا اصلی باعث

حقیقت یہ ہے کہ میری گرفتاری میں اس دفعہ کو کوئی دخل نہیں۔ یہ قطعی ہے کہ مجھے اُن ہی حالات کے سلسلہ میں گرفتار کیا گیا ہے جو ۱۷ر نومبر کے بعد رونما ہوئے ہیں اگر میں پہلی دسمبر کو کلکتہ نہ آتا یا دس دسمبر سے پہلے باہر چلا جاتا جس کی جلسہ جمعیۃ العلماء کی وجہ سے توقع تھی تو گورنمنٹ بنگال مجھ سے تعرض نہ کرتی۔ ۱۷ر نومبر کے بعد دنیا کی تمام چیزوں میں جو چاہیئے جا سکتی ہیں وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ ۲۴ر نومبر کو جب پرنس کلکتہ پہنچیں تو ہڑتال نہ ہو اور جو جابرانہ بے وقوفی ترمیم ضابطہ فوجداری ۱۹۰۸ء کے نفاذ میں ہو گئی ہے۔ وہ ایک دن کے لئے بھی قبول کر لی جائے۔ وہ خیال کرتی تھی کہ میری اور مسٹر سی آر داس کی موجودگی اس میں حارج

ہے۔ اس لئے کچھ عرصہ کے تذبذب اور غور و فکر کے بعد ہم دونوں گرفتار کر لئے گئے۔ گرفتاری بلا وارنٹ کے ہوئی تھی، لیکن جب دوسرے دن ضابطہ کی نمائش پوری کرنے کے لئے مجسٹریٹ جیل میں بھیجا گیا۔ تو مسٹر داس کی طرح میری گرفتاری کے لئے بھی دفعہ ۱۔۲ ترمیم ضابطہ فوجداری کے ماتحت وارنٹ پیش کیا گیا۔

میں گذشتہ دو سال کے اندر بہت کم کلکتہ میں رہ سکا ہوں میرا تمام وقت زیادہ تر تحریک خلافت کی مرکزی مشغولیت میں صرف ہوا یا ملک کے پیہم دوروں میں اکثر ایسا ہوا کہ مہینے دو مہینے کے بعد چند دنوں کے لئے کلکتہ آیا اور بنگال پراونشل خلافت کمیٹی کے کاموں کی دیکھ بھال کر کے پھر باہر چلا گیا۔ وسط نومبر سے بھی میں سفر میں تھا۔ ۱۶ کو کلکتہ سے روانہ ہوا تاکہ جمعیۃ العلماء ہند کے سالانہ اجلاس لاہور میں شریک ہوں ہاں مہاتما گاندھی کے تار سے بمبئی کی شورش کا حال معلوم ہوا۔ اور میں بمبئی چلا گیا۔ جنوری تک میرا ارادہ واپسی کا نہ تھا۔ کیونکہ ۱۰ دسمبر کو جمعیۃ العلماء کا اسپیشل اجلاس بدایوں میں تھا۔ اس میں شرکت ضروری تھی۔ اس کے علاوہ مجھے تمام وقت انگورہ فنڈ کی فراہمی میں صرف کرنا تھا۔ لیکن یکایک گورنمنٹ بنگال کے تازہ جبر و تشدد اور ۱۷ کے کیونکہ کی اطلاع بمبئی پہنچی اور میرے لئے ناممکن ہو گیا کہ ایسی حالت میں کلکتہ سے باہر رہوں۔ میں نے مہاتما گاندھی سے مشورہ کیا ان کی بھی یہی رائے ہوئی کہ مجھے تمام پروگرام ملتوی کر کے کلکتہ چلا جانا چاہئے زیادہ خیال مجھے اس بات کا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو گورنمنٹ کا جبر و تشدد لوگوں کو بے قابو کر دے اور کوئی بات صبر و ضبط کے خلاف کر بیٹھیں۔ علی الخصوص جبکہ سول گارڈ کے قیام کی خبریں بھی آ چکی تھیں اور اس بارے میں ہمیں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی تھی کہ یہ نئی اسلحہ بندی کن شریفانہ اور پرامن اغراض کے لئے وجود میں آئی ہے؟

میں پہلی دسمبر کو کلکتہ پہنچا۔ میں نے ظلم اور برداشت دونوں کے انتہائی مناظر

اپنے سامنے پائے۔

میں نے دیکھا کہ ۱۷ر نومبر کی یادگار ہڑتال سے بے بس ہوکر گورنمنٹ اُس آدمی کی طرح ہوگئی ہے جو جوش اور غصہ میں آپے سے باہر ہو جائے اور غیظ و غضب کی کوئی حرکت بھی اس سے بعید نہ ہو۔ ۱۹۰۸ء کے کرمنل لا امنڈمنٹ ایکٹ کے ماتحت قومی رضاکاروں کی تمام جماعتیں "مجمع خلاف قانون" (ان لافل) قرار دی گئی ہیں۔ پبلک اجتماعات یک قلم روک دیے گئے ہیں، قانون صرف پولیس کی مرضی کا نام ہے وہ "ان لافل جماعت" کی تفتیش اور شبہ میں جو چاہے سو کر سکتی ہے۔ حتیٰ کہ راہ چلتوں کی جان و آبرو بھی محفوظ نہیں۔ گورنمنٹ نے پہلے ۱۸ر نومبر کے کمیونیک میں صرف سابق و موجودہ رضاکار جماعتوں کا ذکر کیا تھا لیکن ۲۴ر نومبر کو دوسرا کمیونیک جاری کرکے تمام آئندہ جماعتیں بھی خلاف قانون قرار دیدیں اور پولیس نے بلا امتیاز ہر شخص کو جو اس کے سامنے آگیا گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ کوئی بات بھی جس سے ۲۴ر کی ہڑتال رُکنے کا امکان ہو پولیس اور پولیس سے بھی زیادہ "شریف قوم" سول گارڈ کے لئے جائز نہیں۔ سول گارڈ گویا قومی رضاکاروں کا جواب ہے۔ وہ بالکل نہتّے ہونے پر بھی جبر و تشدّد سے ہڑتال کرا دیتے تھے یہ پوالو سے مسلح ہونے پر بھی امن و صلح کے ذریعہ ہڑتال روک دیں گے۔ اس کے مقابلہ میں لوگوں نے بھی برداشت اور استقامت دونوں کا گویا آخری عہد کر لیا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو وہ اپنی راہ سے ہٹینگے نہ تشدّد کا مقابلہ کریں گے۔

ان حالات میں میرے لئے فرض کی راہ بالکل صاف اور یکسو تھی۔ میں نے اپنے سامنے دو حقیقتیں بے نقاب دیکھیں۔ ایک یہ کہ گورنمنٹ کی تمام طاقت کلکتہ میں سمٹ آئی ہے اس لئے فتح و شکست کا پہلا فیصلہ یہیں ہوگا۔ دوسری یہ کہ ہم کل تک پوری آزادی کے لئے جد و جہد کر رہے تھے۔ لیکن موجودہ حالت نے بتا دیا کہ ہماری آزادی کی

مبادیات تک محفوظ نہیں ہیں۔ آزادی تقریر اور آزادی اجتماع انسان کے پیدائشی حقوق ہیں ان کی پامالی مشہور فلاسفر آل کی زبان میں انسانیت کے قتل عام سے کچھ ہی کم کہی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ پامالی بلا کسی جھجک کے علانیہ ہو رہی ہے، پس میں نے باہر کا تمام پروگرام منسوخ کر دیا اور فیصلہ کر لیا کہ اس وقت تک کلکتہ ہی میں رہوں گا جب تک دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ظہور میں آجائے یا گورنمنٹ اپنا کمیونک اور آرڈر واپس لے لے یا مجھے گرفتار کرلے۔

گورنمنٹ نے ۱۰ر دسمبر کو مجھے گرفتار کر لیا میں پورے اطمینان اور مسرت کے ساتھ جیل کی طرف روانہ ہوا کیونکہ میں اپنے پیچھے ایک فتحمند میدان چھوڑ رہا تھا۔ میرا دل خوشی سے معمور ہے کہ کلکتہ اور بنگال نے میری توقعات پوری کر دیں۔ وہ پہلے جس قدر پیچھے تھا۔ اتنا ہی آج سب سے آگے ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کامیابی کے لئے گورنمنٹ کی امداد کا ہمیں پوری طرح اعتراف کرنا چاہیئے۔ اگر وہ ۱۷۔ نومبر کے بعد طرز عمل اختیار نہ کرتی تو فی الواقع ہمارے آئندہ کاموں کے انتخاب میں چند در چند مشکلات تھیں۔ ہم ۲۲ر کو بمبئی میں انہی مشکلات پر غور و خوض کر رہے تھے

دو حقیقتیں

حقیقت یہ ہے کہ ان گزشتہ ایام نے بہ یک وقت دونوں حقیقتیں صفحات تاریخ کے لئے مہیا کر دیں۔ اگر ایک طرف گورنمنٹ کے چہرے سے ادعاؤ نمائش کے تمام نقاب دور ہو گئے، تو دوسری طرف ملکی طاقت بھی ایک سخت آزمائش میں پڑ کر پوری طرح نمایاں ہو گئی۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ اگر گورنمنٹ ہر طرح کے جبر و تشدد میں بالکل بے حجاب اور بے لگام ہے، تو ملک میں بھی صبر و برداشت کی طاقت روز افزوں نشوونما پا رہی ہے۔ جیسا کہ ہمیشہ انکار کیا گیا ہے، آج بھی اس کا موقعہ حاصل ہے

کہ انکار کر دیا ہے، لیکن کل تاریخ کے لئے یہ ایک نہایت ہی عبرت انگیز داستان ہوگی
یہ مستقبل کی رہنمائی کریگی کہ کیونکر اخلاقی مدافعت مادّی طاقت کے جارحانہ گھمنڈ کو
شکست دے سکتی ہے؟ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صرف برداشت اور قربانی کے
ذریعہ خونریز اسلحہ کا مقابلہ کیا جائے؟ البتہ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں
فریقوں میں سے کس فریق کے اندر اس بڑے انسان کی تعلیم
تلاش کی جائے جو برائی کے مقابلہ میں صبر و عفو کی تعلیم لے کر
آیا تھا؟ گورنمنٹ میں یا ملک میں؟ میں خیال کرتا ہوں کہ یورپ
کے کسی کے حکام اس کے نام سے ناواقف نہ ہوں گے اس کا
نام "مسیح" تھا۔

گورنمنٹ کا فیصلہ اور شکست

(۲) فلسفہ تاریخ ہمیں بتلاتا ہے کہ نادانی اور ناعاقبت اندیشی ہمیشہ زوال
پذیر طاقتوں کی رفیق ہوتی ہے۔ گورنمنٹ نے خیال کیا کہ وہ جبر و تشدّد سے تحریک
خلافت و سوراج کو پامال کر دے گی، اور ۲۴ کی ہڑتال رک جائے گی۔ اس نے
والنٹیر کورز کو خلاف قانون قرار دیا اور بلا امتیاز تمام کارکن گرفتار کر لئے گئے وہ سمجھتی ہے
کہ والنٹیرز کی ممانعت اور کارکنوں کی گرفتاری کے بعد خلافت اور کانگریس کا نظام
معطّل ہو جائیگا، اور اس طرح خود بخود ہڑتال رک جائے گی۔ لیکن بہت جلد گورنمنٹ
کو معلوم ہو گیا کہ جبر و تشدّد جب قومی بیداری کے مقابلہ میں نمایاں
ہو تو وہ کوئی مہلک چیز نہیں ہوتی۔ نہ تو ہڑتال رک سکی نہ
خلافت اور کانگریس کمیٹیاں معطّل ہوئیں، اور نہ والنٹیرز کا کام

ایک دن کے لئے بھی بند ہوا، بلکہ ہماری غیر موجودگی میں یہ ساری چیزیں زیادہ طاقتور اور غیر مسخر ہوگئیں۔ میں نے ۸ ر دسمبر کو جو پیغام ملک کے نام لکھا تھا، اس میں گورنمنٹ بنگال کے لئے بھی یہ پیغام تھا "میری اور مسٹر سی آر داس کی گرفتاری کے بعد کام زیادہ طاقت اور مستعدی کے ساتھ جاری رہے گا، اور ۲۴ کو ہڑتال اس سے زیادہ مکمّل ہوگی، جس قدر ہماری موجودگی میں ہو سکتی تھی" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ گورنمنٹ خود اپنے پسند کئے ہوئے میدان میں ہار گئی اب وہ اپنی شرمندگی چھپانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے، اور جن لوگوں کو گرفتار کر چکی ہے، انہیں کسی نہ کسی طرح سزا دلانا چاہتی ہے۔ لیکن یہ بالکل بے سود ہے طاقتور آدمی کو شکست کے بعد زیادہ غصّہ آتا ہے، لیکن کوئی شکست اس لئے فتح نہیں بن جاسکتی کہ ہم بہت زیادہ جھنجلا سکتے ہیں!

دفعہ ۱۲۴۔ الف

غرضکہ میری گرفتاری صریح طور پر انہی واقعات کا نتیجہ ہے، اور اسی لئے دو ہفتہ تک میرے خلاف دفعہ ۱۷ ترمیم ضابطہ فوجداری ہی کا دعویٰ قائم رہا، لیکن جب اس بارے میں کوئی سہارا نہ ملا تو میرے پریس اور مکان کی تلاشی لی گئی۔ تاکہ میری کوئی تحریر حاصل کر کے بنائے مقدمہ قرار دی جائے۔ جب وہاں سے بھی کوئی مواد ہاتھ نہ آیا، تو مجبوراً سی۔ آئی۔ ڈی کے محفوظ ذخیرہ کی طرف توجہ کی گئی۔ یہ ذخیرہ ہمیشہ اس شریفانہ کام کے لئے مستعد رہتا ہے، اور ضرورت کو کبھی مایوس نہیں کرتا

پس اس طرح بہ ہزار زحمت دفعہ ۱۲۴-الف کا دعویٰ طیار ہوگیا۔

اجتماع ضدین

(۴) یہ پریشانی گورنمنٹ کو خود اسی کی منافقانہ روش کی وجہ سے پیش آرہی ہے۔ ایک طرف تو وہ چاہتی ہے کہ شخصی حکمرانوں کی طرح بے دریغ جبر و تشدد کرے۔ دوسری طرف چاہتی ہے کہ نمائشی قانون و عدالت کی آڑ بھی قائم رہے۔ یہ دونوں باتیں متضاد ہیں۔ جمع نہیں ہوسکتیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اسکی پریشانی و درماندگی روزبروز بڑھتی جاتی ہے۔ جو لوگ اس کے خیال میں سب سے زیادہ مستحق تعزیر ہیں، اُنھی کو سزا دلانا اس کے لئے مشکل ہوگیا ہے۔ ابھی تھوڑے ہی مہینے گزرے ہیں کہ ہم کراچی میں گورنمنٹ کی سراسیمگی و درماندگی کا تمسخر انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جو سرکاری استغاثہ اس دعویٰ اور اہتمام کے ساتھ شروع کیا گیا تھا اس سے خود گورنمنٹ کی پسندیدہ اور انتخاب کردہ جیوری بھی اتفاق نہ کرسکی!

لطف یہ ہے کہ یہ مشکلات گورنمنٹ کو ایسی حالت میں پیش آرہی ہیں جبکہ وہ جانتی ہے کہ نان کواپریٹرز کی جانب سے ڈیفنس نہیں کیا جائیگا، اور سخت سے سخت غلط بیانی اور قانون شکنی کی حالت میں بھی پردہ دری اور شکایت کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

نئی قانونی تشریحات

گورنمنٹ نے اس اطمینان سے پوری طرح کام لینے میں کوئی کوتاہی بھی نہیں کی ہے نان کواپریٹرز کے مقدمات آج کل جس طرح چکائے جارہے ہیں، اس سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ "لا" اور "آرڈر" کے معنی بیوروکریٹک اصطلاح میں کیا ہیں؟

"لا" اور "آرڈر" کی طرح اب دعویٰ، ثبوت، شہادت، تشخیص، (آئی ڈینٹی فائی) وغیرہ تمام عدالتی مصطلحات کے معانی میں بھی انقلاب ہو گیا ہے۔ گویا نان کو اپریٹرز کو جلد سزا دیدینے کے لئے ہر طرح کی بے قاعدگی اور قانون شکنی جائز ہے حتی کہ اس بات کی بھی تحقیق ضروری نہیں کہ جس انسان کے ملزم ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے، کٹہرے کا ملزم وہی آدمی ہی بھی یا نہیں؟ ابھی اسی ہفتہ جوڑا بگان کی عدالت سے ایک شخص "عبد الرحمن ہاشم" کو اس پُرزور قانونی اور منطقی ثبوت پر چھ ماہ کی سزا دیدیگئی ہے کہ اعظم ہاشم نامی ایک خلافت والنٹیر دنیا میں وجود رکھتا ہے اور دونوں کے نام میں لفظ "ہاشم" مشترک ہے!

خود میرے مقدمہ میں جو صریح بے ضابطگیاں کی گئی ہیں، ان کا ذکر لاحاصل سمجھ کر نہیں کرنا چاہتا، ورنہ وہی اس حقیقت کے انکشاف کے لئے کافی تھیں مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ کا ذکر کروں گا جو بے قاعدگی اور غلط بیانی دونوں کا مجموعہ ہے۔ مجھے دفعہ ۱۷۔ ترمیم ضابطۂ فوجداری سے بری کر دیا گیا اور ۱۲۴۔ الف کے ماتحت وارنٹ حاصل کیا گیا۔ قاعدہ کی رو سے رہائی اور از سر نو گرفتاری، دونوں باتیں وقوع میں آنی چاہئیں تھیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ۱۲۴۔ کا کوئی وارنٹ مجھ پر تعمیل نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ ۹ جنوری تک مجھے اس کا علم بھی نہیں ہوا۔ لیکن میرے سامنے مسٹر گولڈی ڈپٹی کمشنر پولیس نے یہ حلفیہ شہادت دی ہے کہ اس نے پریسیڈنسی جیل میں مجھ پر وارنٹ سرو کیا ہے! یہ سچ ہے کہ نان کواپریٹر کسی طرح کا ڈیفنس نہیں کرتے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ آدمی اپنے تمام کپڑے اُتار ڈالے۔ اس لئے

کہ شریف آدمی آنکھیں بند کرلیں گے۔ شریف آدمیوں نے تو سچ مچ آنکھیں بند کرلی ہیں، لیکن دُنیا کی آنکھیں بند نہیں ہیں!

قانون کا ڈراما!

فی الحقیقت "لا" اور "آرڈر" کا ایک ڈراما کھیلا جارہا ہے جسے ہم کامیڈی اور ٹریجڈی، دونوں کہہ سکتے ہیں۔

وہ تماشہ کی طرح مضحک بھی ہے اور مقتل کی طرح درد انگیز بھی، لیکن میں ٹریجڈی کہنا زیادہ پسند کروں گا۔ حسن اتفاق سے اس کا چیف ایکٹر انگلستان کا سابق چیف جسٹس ہے!

میری تقریریں

(۵) پراسیکیوشن کی جانب سے میری دو تقریریں ثبوت میں پیش کی گئی ہیں، جو میں نے پہلی اور پندرہویں جولائی کو مرزاپور پارک کے جلسے میں کی تھیں۔ اُس زمانہ میں گورنمنٹ بنگال نے گرفتاریوں کی طرف پہلا قدم اُٹھایا تھا اور چار مبلغین خلافت پر مقدمہ چلاکر سزائیں دلائی تھیں۔ میں اُس وقت سفر سے بیمار واپس آیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگوں میں بیحد جوش پھیلا ہوا ہے، اور ہر طرح کے مظاہرے کے لئے لوگ بیقرار ہیں۔ چونکہ میرے خیال میں گرفتاریوں پر مظاہرہ کرنا نان کوآپریشن کے اصول کے خلاف تھا، اس لئے میں نے ہڑتال اور جلوس یک قلم رد کردیے۔ اس پر عوام کو شکایت ہوئی، تو میں نے یہ جلسے

منعقد کئے اور لوگوں کو صبر و تحمل کی نصیحت کرتے ہوئے سمجھایا کہ نان وائلینس نان کوآپریشن کے اصول میں یہ بات داخل ہے کہ گرفتاریوں پر صبر و سکون کے خلاف کوئی بات نہ کی جائے۔ اگر فی الواقع ان گرفتاریوں کا تمہارے دل میں درد ہے تو چاہیئے کہ اصلی کام کرو" اور بیرونی کپڑا ترک کر کے دیسی گاڑھا پہن لو۔

استغاثہ نے جو نقل پیش کی ہے، وہ نہایت ناقص، غلط اور مسخ شدہ صورت ہے، اور محض بے جوڑ اور بعض مقامات پر بے معنی جملوں کا مجموعہ ہے، جیسا کہ اس کے پڑھنے سے ہر شخص سمجھ لے سکتا ہے۔ تاہم میں اس کے غلط اور بے ربط جملوں کو چھوڑ کر (کیونکہ اس کے اعتراف سے میرا ادبی ذوق ابا کرتا ہے) باقی وہ تمام حصہ تسلیم کر لیتا ہوں جس میں گورنمنٹ کی نسبت خیالات کا اظہار ہے، یا پبلک سے گورنمنٹ کے خلاف جدوجہد کی اپیل کی گئی ہے۔

استغاثہ کی جانب سے صرف تقریریں پیش کر دی گئی ہیں۔ یہ نہیں بتلایا ہے کہ ان کے کن جملوں کو وہ ثبوت میں پیش کرنا چاہتا ہے؟ یا اس کے خیال میں "مائی ڈیر برادرن" سے لیکر آخر تک سب ۱۲۴۔الف ہے؟ میں نے بھی دریافت نہیں کیا کیونکہ دونوں صورتیں میرے لئے یکساں ہیں۔ تاہم ان نقول کو دیکھتا ہوں تو استغاثہ کے خیال کے مطابق زیادہ سے زیادہ قابلِ ذکر جملے حسب ذیل ہیں:۔

"ایسی گورنمنٹ ظالم ہے۔ جو گورنمنٹ ناانصافی کے ساتھ قائم ہو ایسی گورنمنٹ کو یا تو انصاف کے آگے جھکنا چاہیئے یا دنیا سے مٹا دینا چاہیئے"

"اگر فی الحقیقت تمہارے دلوں میں گرفتار بھائیوں کا درد ہے تو تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ آج سوچ لے۔ کیا وہ اس بات کے لئے راضی ہے کہ جس جابرانہ قوت نے انہیں گرفتار کیا ہے، وہ اس برِ اعظم میں اسی طرح قائم رہے جس طرح اُن کی گرفتاری کے وقت تھی؟"

"اگر تم ملک کو آزاد کرانا چاہتے ہو، تو اس کا راستہ یہ ہے کہ جن چالاک دشمنوں کے پاس خونریزی کا بے شمار سامان موجود ہے، اُنہیں رائی برابر بھی اُس کے استعمال کا موقعہ نہ دو۔ اور کامل امن و برداشت کے ساتھ کام کرو ....

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب تقریروں میں کوئی ایسی بات کہی جاتی ہے تو اُس سے مقرر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے بچاؤ کا سامان کرلے، ورنہ اُس کی دلی خواہش یہ نہیں ہوتی۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو لوگ آج تمہارے لئے کام کر رہے ہیں، تم میں سے کوئی آدمی بھی یہ ماننے کے لئے طیار نہ ہوگا کہ وہ جیل جانے یا نظر بند ہونے سے ڈرتے ہیں۔ (پس) اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ امن و نظم کے ساتھ کام کرنا چاہیئے، تو ان کا مطلب یہ نہیں (ہوسکتا) کہ اس ظالمانہ گورنمنٹ (کے ساتھ) وفاداری کرنی چاہتے ہیں۔ جو گورنمنٹ اُس کی طاقت، اور (اُس کا) تخت آج دُنیا میں سب سے بڑا گناہ ہے یقیناً وہ اس گورنمنٹ کے وفادار نہیں ہو سکتے" اس کے بعد میں نے کہا ہوگا، مگر کاپی میں نہیں ہے" وہ تو صرف اس لئے یہ کہتے ہیں کہ خود تمہاری کامیابی باامن رہنے پر موقوف ہے۔ تمہارے پاس وہ شیطانی ہتھیار نہیں ہیں، جن سے یہ گورنمنٹ مسلح ہے۔ تمہارے پاس صرف ایمان ہے دل ہے، قربانی کی طاقت ہے۔ تم انہیں طاقتوں سے (اصل میں "ہتھیاروں سے" ہوگا) کام لو۔ اگر تم چاہو کہ اسلحہ کے ذریعہ فتح کرو، تو تم نہیں کر سکتے آج امن و سکون سے بڑھ کر (تمہارے لئے) کوئی چیز نہیں"

"اگر تم صرف چند گھڑیوں کے لئے گورنمنٹ کو حیران کرنا چاہتے ہو، تو اُس کے لئے میرے پاس بہت سے نسخے ہیں۔ اگر خدانخواستہ میں اس گورنمنٹ

کا استحکام چاہتا، تو وہ نسخے بتلا دیتا .... (لیکن) میں تو ایسی جنگ چاہتا ہوں (جو) ایک ہی دن میں ختم نہ ہو جائے، بلکہ فیصلہ کے آخری دن تک (جاری رہے) اور جب فیصلہ کی گھڑی آجائے تو پھر یا تو یہ گورنمنٹ باقی نہ رہے، یا تیس کروڑ (انسان) باقی نہ رہیں"

جو الفاظ بریکٹ کے اندر ہیں، وہ تقریر کی پیش کردہ کاپیوں میں نہیں ہیں، لیکن عبارت کے بامعنی ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ میں نے اس لئے تصحیح کر دی کہ پراسیکیوشن کو استدلال میں مدد ملے۔ اگر اس کے مقصد کے لئے پوری تقریر کی تصحیح و تکمیل ضروری ہو، تو میں اسی طرح کر دینے کے لئے تیار ہوں۔

ان کے علاوہ دونوں تقریروں میں لوگوں کو نان کوآپریشن کی دعوت دی ہے مطالبات خلافت اور سوراج کو دُہرایا ہے، پنجاب کے مظالم کو وحشیانہ کہا ہے، لوگوں کو بتلایا ہے کہ جو گورنمنٹ جلیانوالا باغ امرتسر میں چند منٹوں کے اندر سینکڑوں انسانوں کو قتل کر ڈالے اور اس کو جائز فعل بتلائے، اس سے ناانصافی کی کوئی بات بھی بعید نہیں۔

اقرار

(۶) میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے نہ صرف انہی دو موقعوں پر بلکہ گزشتہ دو سال کے اندر اپنی بے شمار تقریروں میں یہ، اور اسی مطلب کے لئے اس سے زیادہ واضح اور قطعی جملے کہے ہیں۔ ایسا کہنا میرے اعتقاد میں میرا فرض ہے۔ میں فرض کی تعمیل سے اس لئے باز نہیں رہ سکتا کہ وہ ۱۲۴ - الف کا جرم قرار دیا جائے گا۔ میں اب بھی ایسا ہی کہنا چاہتا ہوں اور

جبتک بول سکتا ہوں، ایسا ہی کہتا رہوں گا، اگر میں ایسا نہ کہوں تو اپنے آپ کو خدا اور اس کے بندوں کے آگے بدترین گناہ کا مرتکب سمجھوں۔

موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے

(۷) یقیناً میں نے کہا ہے "موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے" لیکن اگر میں یہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ میں نہیں جانتا کہ کیوں مجھ سے یہ توقع کی جائے کہ ایک چیز کو اس کے اصلی نام سے نہ پکاروں؟ میں سیاہ کو سفید کہنے سے انکار کرتا ہوں۔

میں کم سے کم اور نرم سے نرم لفظ جو اس بارے میں بول سکتا ہوں یہی ہے ایسی ملفوظ صداقت جو اس سے کم ہو، میرے علم میں کوئی نہیں۔

میں یقیناً یہ کہتا رہا ہوں کہ ہمارے فرض کے سامنے دو ہی راہیں ہیں:۔ گورنمنٹ ناانصافی اور حق تلفی سے باز آجائے۔ اگر باز نہیں آسکتی تو مٹادی جائے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

یہ تو انسانی عقائد کی اتنی پرانی سچائی ہے کہ صرف پہاڑ اور سمندر ہی اس کے ہم عمر کہے جا سکتے ہیں۔ جو چیز بری ہے، اسے یا تو درست ہو جانا چاہیے، یا مٹ جانا چاہیے۔ تیسری بات کیا ہو سکتی ہے؟ جبکہ میں اس گورنمنٹ کی برائیوں پر یقین رکھتا ہوں، تو یقیناً یہ دعا نہیں مانگ سکتا کہ درست بھی نہ ہو اور اس کی عمر بھی دراز ہو!

میرا یہ اعتقاد کیوں ہے؟

(۸) میرا اور میرے کروڑوں ہموطنوں کا ایسا اعتقاد کیوں ہے؟

اس کے وجوہ و دلائل اب اس قدر آشکارا ہو چکے ہیں کہ بلنٹ کے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے "سورج کے بعد دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ واضح اور محسوس" محسوسات کے لئے ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں، کہ انکار نہ کرو۔ تاہم میں کہنا چاہتا ہوں ہوں کہ

میرا یہ اعتقاد اس لئے ہے کہ میں ہندوستانی ہوں، اس لیے ہے کہ میں مسلمان ہوں، اس لئے ہے کہ میں انسان ہوں۔

شخصی اقتدار بالذّات ظلم ہے

میرا اعتقاد ہے کہ آزاد رہنا ہر فرد اور قوم کا پیدائشی حق ہے۔ کوئی انسان یا انسانوں کی گھڑی ہوئی بیوروکریسی یہ حق نہیں رکھتی کہ خدا کے بندوں کو اپنا محکوم بنائے۔ محکومی اور غلامی کے لئے کیسے ہی خوشنما نام کیوں نہ رکھ لئے جائیں، لیکن وہ غلامی ہی ہے، اور خدا کی مرضی اور اس کے قانون کے خلاف ہے۔ پس میں موجودہ گورنمنٹ کو جائز حکومت تسلیم نہیں کرتا، اور اپنا ملکی، مذہبی اور انسانی فرض سمجھتا ہوں کہ اس کی محکومی سے ملک و قوم کو نجات دلاؤں۔

"اصطلاحات" اور "بتدریج توسیع اختیارات" کا مشہور مغالطہ میرے اس صاف اور قطعی اعتقاد میں کوئی غلط فہمی پیدا نہیں کرسکتا۔ آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے، اور کسی انسان کو اختیار نہیں کہ حقوق کی ادائگی میں حدبندی اور تقسیم کرے۔ یہ کہنا کہ کسی قوم کو اُس کی آزادی بتدریج ملنی چاہیئے، بعینہٖ ایسی ہی ہے جیسے کہا جائے کہ مالک کو اُس کی جائداد اور قرضدار کو اُس کا قرض ٹکڑے ٹکڑے کر کے دینا چاہیئے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر مقروض سے ایک ہی دفعہ قرض واپس نہ مل سکے تو قرضدار کو یہی کرنا پڑے گا کہ قسط کی صورت میں

وصول کرے لیکن یہ ایک مجبوری کا سمجھوتہ ہوگا۔ اس سے یہ یک دفعہ وصولی کا حق زائل نہیں ہو جا سکتا۔

"رفارم" کی نسبت میں روس کے عظیم الشان لیو ٹالسٹائی (LEO TALSTOY) کے لفظوں میں کہوں گا "اگر قیدیوں کو اپنے ووٹ سے اپنا جیلر منتخب کر لینے کا اختیار مل جائے، تو اس سے وہ آزاد نہیں ہو جائیں گے"۔

میرے لئے اس کے اچھے بُرے کاموں کا سوال ایک ثانوی سوال ہے۔ پہلا سوال خود اس کے وجود کا ہے۔ میں ایسے حاکمانہ اقتدار کو بہ اعتبار اُسکی خلقت ہی کے ناجائز یقین کرتا ہوں۔ اگر وہ تمام ناانصافیاں ظہور میں نہ آتیں جو اس کثرت سے واقع ہو چکی ہیں، جب بھی میرے اعتقاد میں وہ ظلم تھا۔ کیونکہ اس کی ہستی ہی سب سے بڑی ناانصافی ہے، اور اس کی بُرائی کے لئے اس قدر کافی ہے کہ وہ موجود ہو۔ اگر وہ اچھے کام کرے، تو اس کی اچھائی تسلیم کر لی جائے گی، لیکن اس کا وجود ناجائز اور ناانصافی ہی رہے گا۔ اگر ایک شخص ہماری جائداد پر قابض ہو کر بہت اچھے اور نیک کام انجام دے، تو اُس کے کاموں کی خوبی کی وجہ سے اُس کا قبضہ جائز نہیں ہو جا سکتا۔

بُرائی میں کم و کیفیت کے اعتبار سے تقسیم کی جا سکتی ہے، لیکن حسن و قبح کے اعتبار سے اُس کی ایک ہی قسم ہے۔ یعنی اس اعتبار سے تقسیم ہو سکتی ہے کہ وہ کتنی ہے اور کیسی ہے؟ اس اعتبار سے نہیں ہو سکتی کہ وہ اچھی ہے یا بُری ہے؟ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "زیادہ بُری چوری" اور "کم بُری چوری" لیکن یہ تو نہیں کہ سکتے کہ "اچھی چوری" اور "بُری چوری"؟ پس میں بیوروکریسی کی اچھائی اور جائز ہونیکا کسی حال میں بھی تصوّر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ فی نفسہ ایک ناجائز عمل ہے۔ البتہ اسکی بُرائی کم اور زیادہ ہو سکتی ہے۔ لیکن ہندوستان کی بیوروکریسی تو اتنا بھی نہ کر سکی کہ اپنی

خلقی بُرائی ہی پر قانع رہتی۔ جب اُس کی خلقی بُرائی پر اُس کی بے شمار عملی بُرائیوں کا بھی برابر اضافہ ہو رہا ہے، تو پھر کیونکر اس کا تصوّر بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس کے ظلم کا اعلان نہ کیا جائے؟

اسلام اور بیوروکریسی

(۹) میں مسلمان ہوں، اور بحیثیت مسلمان ہونے کے بھی میرا مذہبی فرض یہی ہے۔

اسلام کسی ایسے اقتدار کو جائز تسلیم نہیں کرتا جو شخصی ہو، یا چند تنخواہ دار حاکموں کی بیوروکریسی ہو۔ وہ آزادی اور جمہوریت کا ایک مکمّل نظام ہے جو نوع انسانی کو اس کی چھینی ہوئی آزادی واپس دلانے کے لئے آیا تھا۔ یہ آزادی بادشاہوں، اجنبی حکومتوں، خود غرض مذہبی پیشواؤں، اور سوسائٹی کی طاقتور جماعتوں نے غصب کر رکھی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ حق طاقت اور قبضہ ہے۔ لیکن اسلام نے ظاہر ہوتے ہی اعلان کیا کہ حق طاقت نہیں ہے بلکہ خود حق ہے، اور خدا کے سوا کسی انسان کو سزاوار نہیں کہ بندگانِ خدا کو اپنا محکوم اور غلام بنائے۔ اُس نے امتیاز اور بالا دستی کے تمام قومی اور نسلی مراتب یکقلم مٹا دیے، اور دُنیا کو بتلا دیا کہ سب انسان درجے میں برابر ہیں، اور سب کے حقوق مساوی ہیں۔ نسل، قومیت، رنگ، معیارِ فضیلت نہیں ہے، بلکہ صرف عمل ہے۔ اور سب سے بڑا وہی ہے جس کے کام سب سے اچھے ہوں:۔ یا ایھا النّاس! انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقا کم! (سورۂ حجرات)

اسلام ایک جمہوری نظام ہے

انسانی حقوق کا یہ وہ اعلان ہے جو انقلاب فرانس سے گیارہ سو برس پہلے ہوا۔ یہ صرف اعلان ہی نہ تھا، بلکہ ایک عملی نظام تھا جو مشہور مورخ گبن کے لفظوں میں "اپنی کوئی مثال نہیں رکھتا" پیغمبر اسلام اور ان کے جانشینوں کی حکومت ایک مکمل جمہوریت تھی، اور صرف قوم کی رائے، نیابت، اور انتخاب سے اس کی بناوٹ ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اصطلاح میں جیسے جامع اور عمدہ الفاظ اس مقصد کے لئے موجود ہیں، شاید ہی دُنیا کی کسی زبان میں پائے جائیں۔ اسلام نے "بادشاہ" کے اقتدار اور شخصیت سے انکار کیا ہے، اور صرف ایک رئیس جمہوریت (پریسیڈنٹ آف ری پبلک) کا عہدہ قرار دیا ہے۔ لیکن اُس کے لئے بھی "خلیفہ" کا لقب تجویز کیا جس کے لغوی معنی نیابت کے ہیں۔ گویا اُس کا اقتدار محض نیابت ہے اس سے زیادہ کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ اسی طرح قرآن نے نظام حکومت کے لئے "شوریٰ" کا لفظ استعمال کیا: وامرھم شوریٰ بینھم۔ چنانچہ ایک پوری سورت اسی نام سے قرآن میں موجود ہے۔ "شوریٰ" کے معنی باہم مشورہ کے ہیں۔ یعنی جو کام کیا جائے، جماعت کے باہم رائے اور مشورہ سے کیا جائے۔ شخصی رائے اور حکم سے نہ ہو۔ اس سے زیادہ صحیح نام جمہوری نظام کے لئے کیا ہو سکتا ہے؟

قومی اور مسلم بیوروکریسی بھی ظلم ہے

جب اسلام مسلمانوں کو یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ ایسی اسلامی حکومت کو بھی منصفانہ تسلیم نہ کریں، جو قوم کی رائے اور انتخاب سے نہ ہو، تو پھر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایک اجنبی بیوروکریسی کیا حکم رکھتی ہے؟ اگر آج ہندوستان میں ایک خالص

اسلامی حکومت قائم ہو جائے مگر اس کا نظام کبھی شخصی ہو، یا چند حاکموں کی بیوروکریسی ہو، تو بہ حیثیت مسلمان ہونے کے اُس وقت بھی میرا فرض یہی ہو گا کہ اُس کو ظلم کہوں اور تبدیلی کا مطالبہ کروں۔ اسلام کے علمار حق نے ہمیشہ جابر مسلمان بادشاہوں کے خلاف ایسا ہی اعلان و مطالبہ کیا ہے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ نظام بعد کو قائم نہ رہ سکا۔ مشرقی رومی حکومت اور ایرانی شہنشاہی کے پرشوکت افسانوں نے مسلمان حکمرانوں کو گمراہ کر دیا۔ اسلامی خلیفہ کی جگہ، جو بسا اوقات پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک عام فرد کی طرح ملبوس ہوتا تھا، انہوں نے قیصر و کسریٰ بننے کو ترجیح دی۔ تاہم تاریخ اسلام کا کوئی عہد بھی ایسے مسلمانوں سے خالی نہیں رہا ہے، جنہوں نے علانیہ حکام وقت کے استبداد و شخصیت کے خلاف احتجاج نہ کیا ہو، اور ان تمام تکلیفوں کو خوشی خوشی جھیل نہ لیا ہو جو اس راہ میں پیش آئی ہیں۔

مسلمانوں کا قومی وظیفہ

ایک مسلمان سے یہ توقع رکھنی کہ وہ حق کا اعلان نہ کرے اور ظلم کو ظلم نہ کہے بالکل ایسی ہی بات ہے، جیسے یہ کہا جائے کہ وہ اسلامی زندگی سے دست بردار ہو جائے۔ اگر تم کسی آدمی سے اس مطالبہ کا حق نہیں رکھتے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دے، تو یقیناً ایک مسلمان سے یہ مطالبہ بھی نہیں کر سکتے کہ وہ ظلم کو

ظلم نہ کہے - کیونکہ دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے -

یہ تو اسلامی زندگی کا وہ عنصر ہے، جس کے الگ کر دینے کے بعد اُس کی سب سے بڑی مابہ الامتیاز خصوصیت معدوم ہو جاتی ہے - اسلام نے مسلمانوں کی قومیت کی بُنیاد ہی اس بات پر رکھی ہے کہ وہ دُنیا میں سچائی اور حقیقت کے گواہ ہیں - ایک گواہ کا فرض ہوتا ہے کہ جو کچھ جانتا ہے بیان کرے - ٹھیک اُسی طرح ہر مسلمان کا بھی وظیفہ (ڈیوٹی) ہے کہ جس سچائی کا اُسے علم و یقین دیا گیا ہے، ہمیشہ اُس کا اعلان کرتا رہے، اور ادائے فرض کی راہ میں کسی آزمائش اور مصیبت سے نہ ڈرے - علی الخصوص جب ایسا ہو کہ ظلم و جور کا دور دورہ ہو جائے، اور جبر و تشدد کے ذریعہ اعلانِ حق کو روکا جائے، تو پھر یہ فرض اور زیادہ لازمی اور ناگزیر ہو جاتا ہے کیونکہ اگر طاقت کے ڈر سے لوگوں کا چُپ ہو جانا گوارا کر لیا جائے اور "دو اور دو" کو اس لئے "چار" نہ کہا جائے کہ ایسا کہنے سے انسانی جسم مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو پھر سچائی اور حقیقت ہمیشہ کے لئے خطرہ میں پڑ جائے، اور حق کے اُبھرنے اور قائم رہنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے - حقیقت کا قانون نہ تو طاقت کی تصدیق کا محتاج ہے نہ اس لئے بدل جا سکتا ہے کہ ہمارے جسم پر کیا گزرتی ہے؟ وہ تو حقیقت ہے - اور اُس وقت بھی حقیقت ہی جب اُس کے اعلان سے ہمارا جسم آگ کے شعلوں کے اندر جھونک دیا جائے - صرف اس لئے کہ ہمیں قید کر دیا جائے گا آگ میں ٹھنڈک اور برف میں گرمی نہیں پیدا ہو جا سکتی!

شہادۃ علی الناس

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی کتاب شریعت (قرآن) میں مسلمانوں کو بتلایا گیا ہے

کہ وہ خدا کی زمین میں "شاھد" ہیں۔ یعنی سچائی کی گواہی دینے والے ہیں۔ یہ حیثیت ایک قوم کے یہی اُن کا قومی وظیفہ (نیشنل ڈیوٹی) ہے، اور یہی اُن کی قومی خصلت (نیشنل کیرکٹر) ہے جو اُن کو تمام پچھلی اور آئندہ قوموں میں ممتاز کرتی ہے: وکذالك جعلناکم امة وسطا لتکونوا شھداء علی الناس! اسی طرح پیغمبر اسلام نے فرمایا انتم شھداء اللہ فی الارض (بخاری) تم خدا کی زمین پر خدا کی طرف سے سچائی کے گواہ ہو۔ پس ایک مسلمان جبتک مسلمان ہے، اس گواہی کے اعلان سے باز نہیں رہ سکتا۔

کتمان شہادت

اگر وہ باز رہے، تو یہ قرآن کی اصطلاح میں "کتمان شہادت" ہے۔ یعنی گواہی کو چھپانا۔ قرآن نے ایسا کرنے والوں کو خدا کی پھٹکار کا سزاوار بتلایا ہے اور بار بار کہا ہے کہ اسی کتمانِ شہادت کی وجہ سے دُنیا کی بڑی بڑی قومیں برباد و ہلاک ہوگئیں:۔ ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدیٰ من بعد ما بینہ للناس فی الکتاب اولئك یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون (بقرہ) لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علیٰ لسان داؤد وعیسی ابن مریم ذالك بما عصوا وکانوا یعتدون۔ کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون!

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اسی لیئے اسلام کے واجبات و فرائض میں ایک اہم فرض "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" ہے۔ یعنی نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا۔ قرآن نے عقیدۂ توحید کے بعد جن کاموں پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، اُن میں سے ایک کام یہ ہے۔ قرآن

نے بتلایا ہے کہ مسلمانوں کی تمام قومی بڑائی کی بنیاد اسی کام پر ہے - وہ سب سے بڑی اور اچھی قوم اس لئے ہیں کہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کو روکتے ہیں - اگر وہ ایسا نہ کریں تو اپنی ساری بڑائی کھودیں :- کنتم خیر امۃ اخرجت للناس : تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

قرآن سچے مسلمانوں کی پہچان یہ بتلاتا ہے :"وہ حق کے اعلان میں کسی سے نہیں ڈرتے - نہ دُنیا کی کوئی لالچ انپر غالب آسکتی ہے، نہ کوئی خوف - وہ طمع بھی رکھتے ہیں تو صرف خدا سے اور ڈرتے بھی ہیں تو صرف خدا سے !"

پیغمبر اسلام کے بیشمار قولوں میں سے جو اس بارے میں ہیں، ایک قول یہ ہے " نیکی کا اعلان کرو - برائی کو روکو - اگر نہ کروگے تو ایسا ہوگا کہ نہایت بُرے لوگ تم پر حاکم ہو جائیں گے ؛ اور خدا کا عذاب تمہیں گھیر لیگا - تم دُعائیں مانگوگے کہ یہ حاکم ٹل جائیں مگر قبول نہ ہوگی" (ترمذی وطبرانی عن حذیفہ وعمر رض)

لیکن یہ فرض کیونکر انجام دیا جائے ؟ تو اسلام نے تین مختلف حالتوں میں اس کے تین مختلف درجے بتلائے ہیں - چنانچہ پیغمبر اسلام نے فرمایا : "تم میں سے جو شخص برائی کی بات دیکھے تو چاہیے اپنے ہاتھ سے درست کردے - اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے اعلان کرے - اگر اس کی بھی طاقت نہ پائے تو اپنے دل میں

اُس کو بُرا سمجھے۔ لیکن یہ آخری درجہ ایمان کی بڑی ہی کمزوری کا درجہ ہے۔" (مسلم) ہندوستان میں ہمیں یہ استطاعت نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے گورنمنٹ کی بُرائیاں دور کر دیں۔ اس لئے ہم نے دوسرا درجہ اختیار کیا جس کی استطاعت حاصل ہے۔ یعنی زبان سے اس کا اعلان کرتے ہیں۔

ارکان اربعہ

قرآن نے مسلمانوں کی اسلامی زندگی کی بُنیاد چار باتوں پر رکھی ہے اور بتلایا ہے کہ ہر طرح کی انسانی ترقی اور کامیابی انہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے :۔ ایمان۔ عمل صالح۔ توصیۂ حق۔ توصیۂ صبر۔

"توصیۂ حق" کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ حق اور سچائی کی ایک دوسرے کو وصیت کرنا۔ "توصیۂ صبر" کے معنی یہ ہیں کہ ہر طرح کی مصیبتوں اور دکھوں کو جھیل لینے کی وصیت کرنا۔ چونکہ حق کے اعلان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مصیبتیں پیش آئیں اس لئے حق کے ساتھ صبر کی وصیت بھی ضروری تھی، تاکہ مصیبتیں اور دکھ جھیل لینے کے لئے ہر حق گو طیار ہو جائے :۔ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصالحات، وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر

اسلامی توحید اور امر بالمعروف

اسلام کی بُنیاد عقیدۂ "توحید" پر ہے۔ اور "توحید" کا ضد "شرک" ہے جس سے بیزاری اور نفرت ہر مسلمان کی فطرت

ہیں داخل کی گئی ہے۔ توحید سے مقصود یہ ہے کہ خدا کو اس کی ذات اور صفات میں ایک ماننا۔ شرک کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ذات اور صفتوں میں کسی دوسری ہستی کو شریک کرنا۔ پس سچائی کے اظہار میں بے خوفی اور بے باکی ایک مسلمان زندگی کا مایۂ خمیر ہے۔ توحید مسلمانوں کو سکھلاتی ہے کہ ڈرنے اور جھکنے کی سزاوار صرف خدا ہی کی عظمت و جبروت ہے اُس کے سوا کوئی نہیں جس سے ڈرنا چاہیئے یا جس کے آگے جھکنا چاہیئے۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی دوسری ہستی سے ڈرنا خدا کے ساتھ اُس کو شریک کرنا اور اپنے دل کے خوف و اطاعت کا حقدار ماننا ہے۔ یہ بات توحید کے ساتھ اکٹھی نہیں ہو سکتی۔

اسی لئے اسلام تمامتر بے خوفی اور قربانی کی دعوت ہے۔ قرآن جابجا کہتا ہے "مسلمان وہ ہے جو خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ ہر حال میں سچی بات کہے۔" (ولم یخش الا اللہ) پیغمبر اسلام نے فرمایا "سب سے بہتر موت اُس آدمی کی موت ہے جو کسی ظالم حکومت کے سامنے حق کا اظہار کرے اور اس کی پاداش میں قتل کیا جائے" (ابوداؤد) وہ جب کسی آدمی سے اسلام کا عہد و قرار لیتے تھے تو ایک اقرار یہ ہوتا تھا "میں ہمیشہ حق کا اعلان کروں گا۔ خواہ کہیں ہوں، اور کسی حالت میں ہوں" (بخاری و مسلم)

اسی کا نتیجہ ہے کہ دُنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں حق گوئی اور حق گوئی کے لئے قربانی کی ایسی مثالیں نہیں مل سکتیں، جن سے تاریخ اسلام کا ہر باب معمور ہے۔ اسلام کے عالموں، پیشواؤں، بزرگوں، مصنفوں کے تراجم

تمامتر اسی قربانی کی سرگزشت ہیں!

جن مسلمانوں کے مذہبی فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ موت قبول کرلیں مگر حق گوئی سے باز نہ آئیں، ان کے لئے دفعہ ۱۲۴-الف کا مقدمہ یقیناً کوئی بڑی ڈراؤنی چیز نہیں ہوسکتا جس کی زیادہ سے زیادہ سزا سات برس کی قید ہے!

اسلام میں کوئی دفعہ ۱۲۴ نہیں

تاریخ اسلام کے دو دور ہیں۔ پہلا دور پیغمبر اسلام اور اُن کے چار جانشینوں کا ہے یہ دور خالص اور کامل طور پر اسلامی نظام کا تھا۔ یعنی اسلامی جمہوریت (ری پبلک) اپنی اصلی صورت میں قائم تھی۔ ایرانی شہنشاہی اور رومی امارت (ARISTOCRACY.) کا کوئی اثر ابھی اسلامی مساوات عامہ (DEMOCRACY.) پر نہیں پڑا تھا۔ اسلامی جمہوریت کا خلیفہ خود بھی طبقہ عوام (ڈیموکریٹ) کا ایک فرد ہوتا تھا، اور ایک عام فرد قوم کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ دارالخلافت کے ایک خس پوش چھپر میں رہتا اور چار چار پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتا۔ اسلام کے دارالخلافت میں امریکن ری پبلک کا کوئی قصر سفید (وہائٹ ہاؤس) نہ تھا۔

دوسرا دور شخصی حکمرانی اور شہنشاہی کا ہے جو خاندان بنوامیہ سے شروع ہوا اس دور میں اسلامی جمہوریت درہم برہم ہوگئی۔ قوم کے انتخاب کی جگہ طاقت و تسلط کا دور شروع ہوگیا۔ شاہی خاندان سے طبقہ امراء (ارسٹوکریٹ) کی بنیاد پڑی، اور اسلام کے گلیم پوش خلیفہ کی جگہ شہنشاہیت کا تاج و تخت نمودار ہوگیا۔

تاہم مسلمانوں کی زبانیں جس طرح پہلے دور کی آزادی میں بے روک تھیں اُسی طرح دوسرے دور کے جبر و استبداد میں بھی بے خوف رہیں۔ میں بتلانا چاہتا ہوں کہ تعزیرات ہند (پینل کوڈ) کی طرح اسلامی قانون میں کوئی دفعہ ۱۲۴۔ الف نہیں ہے!

پہلے دور کے مسلمانوں کی حق گوئی کا یہ حال تھا کہ دار الخلافت کی ایک بڑھیا عورت خلیفۂ وقت سے بر سر عام کہہ سکتی تھی "اگر تم انصاف نہ کرو گے تو تکلے کی طرح تمہارے بل نکالدینگے" لیکن وہ مقدمۂ بغاوت چلانے کی جگہ خدا کا شکر کرتا کہ قوم میں ایسی راست باز زبانیں موجود ہیں! عین جمعہ کے مجمع میں جب خلیفہ منبر پر خطبہ کے لئے کھڑا ہوتا اور کہتا "اسمعوا واطیعوا" سنو اور اطاعت کرو۔ تو ایک شخص کھڑا ہو جاتا اور کہتا "نہ تو سُنیں گے اور نہ اطاعت کریں گے" کیوں "اس لئے کہ تمہارے جسم پر جو جبہ ہے وہ تمہارے حصہ کے کپڑے سے زیادہ کا بنا ہوا ہے اور یہ خیانت ہے" اس پر خلیفہ اپنے لڑکے سے گواہی دلاتا۔ وہ اعلان کرتا کہ میں نے اپنے حصہ کا کپڑا بھی اپنے باپ کو دیدیا تھا۔ اس سے جبہ طیار ہوا۔

قوم کا یہ طرز عمل اُس خلیفہ کے ساتھ تھا، جس کی صولت و سطوت نے مصر اور ایران کا تخت اُلٹ دیا تھا۔ تاہم اسلامی حکومت میں کوئی دفعہ ۱۲۴۔ الف نہ تھی۔

دوسرا دور شخصی جبر و استبداد (AUTOCRACY) کا تھا، جس کی پہلی ضرب

آزادی رائے اور آزادی تقریر ہی پر پڑتی ہے۔ لیکن اس دور میں بھی زبانوں کی بیباکی اور دلوں کی بے خوفی اُسی طرح سرگرم رہی، اور قید خانے کی تاریک کوٹھریاں، تازیانوں کی ضرب، اور جلاد کی تیغ بھی اُنہیں روک نہ سکی۔ پیغمبر اسلام کے ساتھی (صحابۂ کرام) جبتک زندہ رہے، وقت کے جابر بادشاہوں کے ظلم کا اعلان کرتے رہے اور برابر مطالبہ کرتے رہے کہ حکومت قوم کے مشورہ اور انتخاب سے ہونی چاہیئے۔ جو لوگ ان کے تربیت یافتہ تھے (تابعین) اُن کا اعلان بھی بعینہ یہی رہا کہ "درست ہو جاؤ یا مٹ جاؤ" امام محمد غزالی نے (جن کو یورپ کے مورخین فلسفہ بھی (ALGAZEL) کے نام سے پہچانتے ہیں، اور اب میڈم کاریلی کے ناول (ARDATH) کے دوسرے باب نے انگریزی علم ادب کو بھی روشناس کر دیا ہے) صرف ان صحابہ اور تابعین کا ذکر کیا ہے جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے زمانے تک موجود تھے، اور جنہوں نے حکمرانوں کے مظالم کا اعلان کر کے ہمیشہ منصفانہ اور نیابتی گورنمنٹ کا مطالبہ کیا تھا انکی تعداد ۲۳ سے بھی زیادہ ہے۔

ہشام بن عبدالملک نے طاؤس یمانی کو بلایا۔ وہ آئے، مگر اس کا نام لیکر سلام کیا "امیر المومنین" یعنی قوم کا سردار نہ کہا جو مسلمان خلفاء کا لقب تھا۔ ہشام نے سبب پوچھا تو کہا "قوم تیری حکومت سے راضی نہیں، اس لئے تجھے ان کا امیر کہنا جھوٹ ہے" ہشام نے کہا۔ نصیحت کیجیے فرمایا "خدا سے ڈر، کیونکہ تیرے ظلم سے زمین بھر گئی"

مالک بن دینار بصرہ کی جامع مسجد میں اعلان کرتے "ان ظالم بادشاہوں کو خدا نے اپنے بندوں کا چرواہا بنایا تھا تاکہ ان کی رکھوالی کریں۔ پر انہوں نے بکریوں کا گوشت کھا لیا۔ بالوں کا کپڑا بن کر پہن لیا۔ اور صرف ہڈیاں چھوڑ دیں"

سلیمان بن عبدالملک جیسے ہیبتناک خلیفہ سے ابو حازم کہتے: "ان آباءك قهروا الناس بالسيف، واخذوا الملك عنوة من غير مشورة من المسلمين ولا رضا منهم" تیرے باپ دادوں نے تلوار کے زور سے لوگوں کو مقہور کیا، اور بلا قوم کی رائے اور انتخاب کے مالک بن بیٹھے۔ سلیمان نے کہا۔ اب کیا کیا جائے؟ جواب دیا "جن کا حق ہے انہیں لوٹا دے"، کہا۔ میرے لئے دعا کیجئے۔ فرمایا "خدایا! اگر سلیمان حق پر چلے تو اُسے مہلت دے۔ لیکن اگر ظلم سے باز نہ آئے تو پھر تو ہے اور اس کی گردن"

سعید بن مسیب بہت بڑے تابعی تھے وہ علانیہ بر سر بازار حکام کے ظلم و جور کا اعلان کرتے اور کہتے "کتوں کا پیٹ بھرتے ہو مگر انسانوں کو ظلم سے امان نہیں"

اس عہد کے بعد بھی مسلمان عالموں اور پیشواؤں کی حق گوئی کا یہی عالم رہا۔ منصور عباسی کے خوف و ہیبت سے گھر میں بیٹھے ہوئے لوگ کانپا کرتے تھے۔ سفیان ثوری سے ایک بار اُس نے کہا "مجھ سے اپنی کوئی حاجت بیان کیجئے" انہوں نے جواب دیا "اتق الله فقد ملأت الارض ظلماً وجوراً" خدا سے ڈر! زمین ظلم و جور سے بھر گئی ہے۔

جب مشہور عباسی خلیفہ، ہارون الرشید تخت نشین ہوا (جس نے فرانس کے شارلمین کو ایک عجیب گھڑی بطور تحفہ کے بھیجی تھی اور قیصر روم کو بقول گبن "اے کتے کے بچے" کے لقب سے خط لکھا تھا) تو اُس نے انہی سفیان ثوری کو اپنے ہاتھ سے اشتیاق ملاقات کا خط لکھ کر بھیجا۔ خط میں لکھا تھا کہ میں نے تخت نشینی کی خوشی میں بیت المال دولت لوگوں میں تقسیم کی ہے تم بھی مجھ سے آکر ملو۔ سفیان کوفہ کی مسجد میں ایک بڑے مجمع کے اندر بیٹھے تھے کہ یہ خط پہنچا۔ لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا اور

کہا "جس چیز کو ایک ظالم کے ہاتھ نے چھوا ہے، میں اُسے چھونا نہیں چاہتا" جب پڑھ کر سنایا گیا تو اُسی کی پشت پر جواب لکھوا دیا۔ "خدا کے مغرور بندے ہارون کو جس کا ذوق ایمان سلب ہو چکا ہے، معلوم ہو۔ تو نے قوم کا مال بلا کسی حق کے اپنی تخت نشینی کی خوشی میں لٹایا اور اس کا حال لکھ کر اپنے گناہ پر مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھی گواہ ٹھہرایا۔ پس ہم سب کل کو اللہ کے آگے اس کی گواہی دینگے۔ اے ہارون! تو نے انصاف و حق سے کنارہ کیا۔ تو نے پسند کیا کہ ظالم بنے اور ظالموں کی سرداری پائے۔ تیرے حاکم بندگانِ خدا کو ظلم و جور سے پامال کر رہے ہیں اور تو تخت شاہی پر عیش و عشرت کر رہا ہے" ہارون نے جب یہ خط پڑھا تو بے اختیار رونے لگا اور کہا۔ یہ خط ہمیشہ میرے ساتھ رہیگا!

مسلمان عالموں اور اماموں پر موقوف نہیں، اس عہد کا ہر عام فرد بھی اس اعلان میں بالکل بے خوف تھا۔ منصور عباسی ایک دن کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ آواز آئی کہ کوئی شخص دعا مانگ رہا ہے "خدایا! میں تیرے آگے فریاد کرتا ہوں۔ ظلم غالب آگیا ہے اور حق اور حق داروں کے درمیان روک بن گیا ہے" منصور نے اُس شخص کو بلا کر پوچھا "وہ کون ہے جس کا ظلم روک بن گیا ہے؟" کہا "تیرا وجود اور تیری حکومت"

حجاج بن یوسف کا ظلم و ستم تاریخ اسلام کا نہایت مشہور واقعہ ہے لیکن اسکی بے پناہ تلوار بھی مسلمانوں کی حق گوئی پر غالب نہ آسکی۔ حطیط جب گرفتار ہوکر آیا تو پوچھا اب میرے لئے کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا "تو خدا کی زمین پر اس کا سب سے بڑا دشمن ہے" پوچھا۔ خلیفہ کے لئے کیا کہتے ہو؟ کہا اس کا جرم تجھ سے بھی زیادہ ہے۔ تیرا ظلم تو اس کے بے شمار ظلموں میں سے صرف ایک ظلم ہے"

مامون الرشید کے عہد میں ایسے مسلمان موجود تھے جو پکار پکار کر برسر دربار کہتے "یا ظالم! انا ظالم ان لم اقل لك یا ظالم!" اے ظالم! میں ظالم ہوں اگر تجھے ظالم کہہ کر نہ پکاروں!"

فتنۂ تاتار اور فتنۂ یورپ

یہ تو تاریخ اسلام کے ابتدائی اوراق ہیں، لیکن اس عہد کے بعد بھی ہر دور کا یہی حال رہا۔ مسلمانوں کے لئے موجودہ عہد کا عالمگیر فتنہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے۔ وہ ایک ایسے ہی سیلاب میں ڈوب کر اچھل چکے ہیں۔ جس طرح آج یورپ، و علی الخصوص انگلستان کے ظہور اور تسلّط سے تمام ایشیا اور اسلامی ممالک کی آزادی کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح پندرھویں صدی مسیحی میں بھی تاتاریوں کے وحشیانہ تسلّط سے ظہور میں آیا تھا۔ یورپ کے فتنہ کا آخری نتیجہ عثمانی خلافت کی پامالی اور ایشیاء کوچک کا قتل عام ہے۔ تاتاری فتنہ کی آخری وحشت ناکی عباسی خلافت کا خاتمہ اور بغداد کا قتل عام تھا۔ تاتاری انسان نہیں تھے، درندے تھے۔ تاہم ہلاکو خاں، منکو خاں، اباقاآن خاں جیسے سفاکوں کے زمانے میں بھی وہ مسلمان موجود رہے جن کی زبانیں اعلان حق میں اُن کی تلواروں سے بھی زیادہ تیز تھیں۔ شیخ سعدی شیرازی نے (جن کی "گلستاں" کا نام ابھی

کورٹ نے بھی سنا ہوگا) ہلاکو خاں کے منہ پر اُسے ظالم کہا۔ شمس الدین تیاری نے منکو خاں کے دربار میں اس کی ہلاکت کی دعا مانگی۔ شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ نے اباقا آن پر برسر دربار لعنت بھیجی۔ تاتاریوں کے پاس بے دریغ قتل کر دینے کا قانون تھا۔ تاہم "تورۂ چنگیز خانی" (قوانین چنگیز خاں) میں کوئی دفعہ ۱۲۴۔ الف نہ تھی!

"حجاج" اور "ریڈنگ"

ہم مسلمانوں کا جب اپنی قومی گورنمنٹوں کے ساتھ (جن کی اطاعت ازروئے شرع ہم پر واجب ہے) ایسا سلوک رہا ہے، تو پھر ایک اجنبی گورنمنٹ کے کارندے ہم سے کیا امید رکھتے ہیں؟ کیا ہندوستان کی "ازروئے قانون قائم شدہ" گورنمنٹ ہمارے لئے اُس گورنمنٹ سے بھی زیادہ محترم ہے جو "ازروئے شریعت اسلام واجب الاطاعت ہے؟ کیا انگلستان کی بادشاہت اور لارڈ ریڈنگ کی نیابت عبدالملک کی خلافت اور حجاج بن یوسف کی نیابت سے بھی ہمارے لئے زیادہ مقدس ہو سکتی ہے؟ اگر ہم "اجنبی و غیر مسلم" اور "قومی و مسلم" کا عظیم الشان اور شرعی فرق بالکل نظر انداز کر دیں، جب بھی ہم سے صرف یہی امید کی جا سکتی ہے کہ جو کچھ حجاج بن یوسف اور خالد قسری کی گورنمنٹوں کے لئے کہہ چکے ہیں، وہی "چیمسفورڈ" اور "ریڈنگ" کی گورنمنٹوں کے لئے بھی کہیں۔ ہم نے اُن سے کہا تھا "اتق اللہ فقد ملأت الارض ظلما وجورا" خدا سے ڈرو کیونکہ تمہارے ظلم سے زمین بھر گئی ہے! یہی ہم آج بھی کہتے ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی کمزوری اور بے بسی کی وجہ سے آج ہندوستان میں جو کچھ کر رہے ہیں، وہ دراصل قومی حکمرانوں کے ظلم و جور کے لیے ہمیں بتلایا گیا تھا، نہ کہ ایک اجنبی قبضہ و تصرف کے مقابلے میں۔ اگر برٹش گورنمنٹ کے ارکان اس حقیقت کو

سمجھتے تو انہیں تسلیم کرنا پڑتا کہ مسلمانوں کے تسامح اور درگزر کی حد ہو گئی ہے۔ اس سے زیادہ وہ اسلام کو برطانیہ کے لئے نہیں چھوڑ سکتے!

اسلام نے حکمرانوں کے ظلم کے مقابلہ میں دو طرح کے طرز عمل کا حکم دیا ہے کیونکہ حالتیں بھی دو مختلف ہیں: ایک ظلم اجنبی قبضہ و تسلط کا ہے۔ ایک خود مسلمان حکمرانوں کا ہے۔ پہلے کے لئے اسلام کا حکم ہے کہ تلوار سے مقابلہ کیا جائے دوسرے کے لئے حکم ہے کہ تلوار سے مقابلہ تو نہ کیا جائے لیکن "امر بالمعروف" اور "اعلان حق" جس قدر بھی امکان میں ہو، ہر مسلمان کرتا رہے۔ پہلی صورت میں دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہونا پڑے گا۔ دوسری صورت میں ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں طرح طرح کی اذیتیں اور سزائیں جھیلنی پڑیں گی۔ مسلمانوں کو دونوں حالتوں میں دونوں طرح کی قربانیاں کرنی چاہئیں، اور دونوں کا نتیجہ کامیابی و فتح مندی ہے۔ چنانچہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں مسلمانوں نے دونوں طرح کی قربانیاں کیں۔ اجنبیوں کے مقابلہ میں سرفروشی بھی کی، اور اپنوں کے مقابلے میں صبر و استقامت بھی دکھلائی پہلی صورتوں میں جس طرح ان کی "جنگی جد و جہد" کوئی مثال نہیں رکھتی۔ اسی طرح دوسری صورت میں اُن کی "شہری جد و جہد" بھی عدیم النظیر ہے۔

ہندوستان میں آج مسلمانوں نے دوسری صورت اختیار کی ہے، حالانکہ مقابلہ ان کا پہلی حالت سے ہے۔ اُن کے لئے "جنگی جد و جہد" کا وقت آگیا تھا لیکن انہوں نے "شہری جد و جہد" کو اختیار کیا۔ انہوں نے "نواں وائلینس" رہنے کا فیصلہ کر کے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ ہتھیار سے مقابلہ نہ کریں گے۔ یعنی صرف وہی کریں گے جو انہیں مسلمان حکومتوں کے ظلم کے مقابلہ میں کرنا چاہئے۔ بلاشبہ اس طرز عمل میں ہندوستان کی ایک خاص طرح کی حالت کو بھی دخل ہے۔ لیکن گورنمنٹ کو سوچنا چاہئے کہ اس سے زیادہ بدبخت مسلمان اور کیا کر سکتے ہیں؟ حد ہو گئی کہ اجنبیوں

کے ظلم کے مقابلے میں وہ بات کر رہے ہیں، جو انہیں اپنوں کے مقابلہ میں کرنی تھی!

انقلاب حال!

میں سچ کہتا ہوں۔ مجھے اس کی رائی برابر بھی شکایت نہیں کہ سزا دلانے کے لئے مجھ پر مقدمہ چلایا گیا ہے۔ یہ بات تو بہر حال ہونی ہی تھی۔ لیکن حالات کا یہ انقلاب میرے لئے بڑا ہی درد انگیز ہے کہ ایک مسلمان سے کتمان شہادت کی توقع کی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ وہ ظلم کو صرف اس لئے ظلم نہ کہے کہ دفعہ ۱۲۴۔ الف کا مقدمہ چلایا جائے گا!

مسلمانوں کو حق گوئی کا جو نمونہ ان کی قومی تاریخ دکھلاتی ہے، وہ تو یہ ہے کہ ایک جابر حکمراں کے سامنے ایک بے پروا انسان کھڑا ہے۔ اس پر الزام یہی ہے کہ اس نے حکمراں کے ظلم کا اعلان کیا۔ اس کی پاداش میں اُس کا ایک ایک عضو کاٹا جا رہا ہے لیکن جب تک زبان نہیں کٹ جاتی، وہ یہی اعلان کرتی رہتی ہے کہ حکمراں ظالم ہے! یہ واقعہ خلیفہ عبدالملک کے زمانے کا ہے جس کی حکومت افریقہ سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ تم دفعہ ۱۲۴۔ الف کو اس سزا کے ساتھ تول لے سکتے ہو!

میں اس درد انگیز اور حیاتناک حقیقت سے انکار نہیں کرتا کہ اس انقلاب حالت کے ذمہ دار خود مسلمان ہی ہیں انہوں نے اسلامی زندگی کے تمام خصائص کھو دیے اور ان کی جگہ غلامانہ زندگی کے تمام رذائل قبول کر لئے۔ اُن کی

موجودہ حالت سے بڑھ کر دُنیا میں اسلام کیلئے کوئی فتنہ نہیں جبکہ میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں، تو میرا دل شرمندگی کے غم سے پارہ پارہ ہو رہا ہے کہ اسی ہندوستان میں وہ مسلمان بھی موجود ہیں جو اپنی ایمانی کمزوری کی وجہ سے علانیہ ظلم کی پرستش کر رہے ہیں!

یا آزادی یا موت

لیکن انسانوں کی بدعملی سے کسی تعلیم کی حقیقت نہیں جُھٹلائی جا سکتی۔ اسلام کی تعلیم اُس کی کتاب میں موجود ہے۔ وہ کسی حال میں بھی جائز نہیں رکھتی کہ آزادی کھو کر مسلمان زندگی بسر کریں۔ مسلمانوں کو مٹ جانا چاہیئے۔ یا آزاد رہنا چاہیئے تیسری راہ اسلام میں کوئی نہیں۔

اسی لئے میں نے آج سے بارہ سال پہلے "الہلال" کے ذریعہ مسلمانوں کو یاد دلایا تھا کہ آزادی کی راہ میں قربانی و جان فروشی ان کا قدیم اسلامی ورثہ ہی اُن کا اسلامی فرض یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام جماعتوں کو اس راہ میں اپنے پیچھے چھوڑ دیں۔ میری صدائیں بیکار نہ گئیں۔ مسلمانوں نے اب آخری فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی بھائیوں کے ساتھ مل کر اپنے ملک کو غلامی سے نجات دلائیں گے۔

مسئلۂ خلافت و پنجاب

(۱۰) میں یہاں گورنمنٹ کی اُن ناانصافیوں کا افسانہ نہیں چھیڑوں گا جو

مسئلہ "خلافت" اور مظالم "پنجاب" کا عالمگیر افسانہ ہیں۔ لیکن میں اقرار کرونگا کہ گزشتہ دو سال کے اندر کوئی صبح و شام مجھ پر ایسی نہیں گزری ہے جس میں میں نے "خلافت" اور "پنجاب" کے لئے گورنمنٹ کے مظالم کا اعلان نہ کیا ہو۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے ہمیشہ یہ کہا ہے۔ جو گورنمنٹ اسلامی خلافت کو پامال کر رہی ہو اور مظالم پنجاب کے لئے کوئی تلافی اور شرمندگی نہ رکھتی ہو، ایسی گورنمنٹ کے لئے کسی ہندوستانی کے دل میں وفاداری نہیں ہو سکتی۔ گورنمنٹ کی جگہ وہ ایک فریق محارب کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں نے ۱۳ دسمبر سنہ ۱۹۱۸ء کو (جب میں رانچی میں گورنمنٹ آف انڈیا کے حکم سے نظر بند تھا) لارڈ چیمسفورڈ کو ایک مفصّل چٹھی لکھی تھی۔ اس میں واضح کر دیا تھا کہ خلافت اور جزیرۃ العرب کے بارے میں اسلامی احکام کیا ہیں؟ میں نے لکھا تھا کہ اگر برٹش گورنمنٹ اسلامی خلافت اور اسلامی ممالک پر خلاف وعدہ متصرّف ہو گئی، تو اسلامی قانون کی رو سے ہندوستانی مسلمان ایک انتہائی کشمکش میں مبتلا ہو جائینگے۔ اُن کے لئے صرف دو ہی راہیں رہجائیں گی۔ یا اسلام کا ساتھ دیں یا برٹش گورنمنٹ کا۔ وہ مجبور ہونگے کہ اسلام کا ساتھ دیں۔

بالآخر وہی ہوا۔ گورنمنٹ صریح وعدہ خلافی سے باز نہ رہی۔ اُس وعدہ کا بھی ایفا ضروری نہ سمجھا گیا جو گورنمنٹ آف انڈیا نے ۲۔ نومبر سنہ ۱۹۱۴ء کے اعلان میں کیا تھا، اور وہ وعدہ بھی فریب وقت ثابت ہوا جو مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے ۵۔ جنوری سنہ ۱۹۱۸ء کو ہاؤس آف کامنس کی تقریر میں کیا تھا۔ شریف آدمیوں کے لئے وعدہ خلافی عیب ہے، لیکن طاقتور حکومتوں کے لئے کوئی بات بھی عیب نہیں ہے!

اس حالت نے مسلمانوں کے لئے آخری درجہ کی کشمکش پیدا کر دی۔ اسلامی

قانون کی رو سے کم از کم بات جو ان کے فرائض میں داخل تھی، یہ تھی کہ ایسی گورنمنٹ کی اعانت اور کواپریشن سے ہاتھ کھینچ لیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ اُس وقت تک اسپر قائم رہیں گے، جب تک اُنہیں اپنا مذہب اور مذہب کے اٹل احکام عزیز ہیں۔

مسلمانوں کو یقین ہو گیا ہے کہ اگر وہ حق و انصاف چاہتے ہیں تو اس کی راہ صرف ایک ہی ہے۔ سوراج کا حصول یعنی ایسی قومی گورنمنٹ کا حصول جو ہندوستانیوں کی ہو ہندوستان میں ہو، اور ہندوستان کے لئے ہو۔

اگر ظلم نہیں تو کیا عدل ہے؟

(۱۱) غرضکہ اس بارے میں میرا اقرار بالکل صاف اور واضح ہے۔ موجودہ گورنمنٹ محض ایک ناجائز بیوروکریسی ہے، وہ کروڑوں انسانوں کی مرضی اور خواہش کے لئے محض نفی ہے، وہ ہمیشہ انصاف اور سچائی پر پرسٹیج کو ترجیح دیتی ہے، وہ جلیانوالہ باغ امرتسر کا وحشیانہ قتل عام جائز رکھتی ہے، وہ انسانوں کے لئے اس حکم میں کوئی ناانصافی نہیں مانتی کہ چارپایوں کی طرح پیٹ کے بل چلائے جائیں، وہ بے گناہ لڑکوں کو صرف اس لئے تازیانے کی ضرب سے بے ہوش ہو جانے دیتی ہے کہ کیوں ایک بُت کی طرح "یونین جیک" کو سلام نہیں کرتے؟ وہ تین کروڑ انسانوں کی پیہم التجاؤں پر بھی اسلامی خلافت کی پامالی سے باز نہیں آتی، وہ اپنے تمام وعدوں کے توڑ دینے میں کوئی عیب نہیں سمجھتی، وہ سمرنا اور تھریس کو صریح نامنصفانہ طور پر یونانیوں کے حوالہ کر دیتی ہے، اور پھر تمام اسلامی آبادی کے قتل و غارت کا

تماشا دیکھتی ہے۔

انصاف کی پامالی میں اُس کی جرأت ان تھک اور دلیری بالکل بے باک ہے اور حقیقت کو جُھٹلاتے ہوئے اس کے مُنہ میں کوئی لگام نہیں۔ سمرنا میں ۷۰ فی صدی مسلمانوں کی آبادی ہے، مگر وزیر اعظم بغیر کسی شرمندگی کے مسیحی آبادی کی کثرت کا اعلان کر دیتا ہے۔ یونانی حکومت تمام اسلامی آبادی کو خون اور آگ کے سیلاب میں غرق کر دیتی ہے، لیکن وہ بیدھڑک تُرکی مظالم کی فرضی داستانیں بیان کرتا رہتا ہے، اور خود انگلستان کے بھیجے ہوئے امریکن کمیشن کی رپورٹ پوشیدہ کر دی جاتی ہے!

پھر نہ تو ان تمام مظالم و جرائم کے لئے اس کے پاس اعتراف ہے، نہ تلافی بلکہ ملک کی جائز اور باامن جدو جہد کو پامال کرنے کے لئے ہر طرح کا جبر و تشدّد شروع کر دیا جاتا ہے، اور وہ سب کچھ کیا جاتا ہے جو گزشتہ ایک سال کے اندر ہو چکا ہے، اور ۱۸۔ نومبر سے اس وقت تک ملک کے ہر حصّہ میں ہو رہا ہے۔ میں اگر ایسی گورنمنٹ کو "ظالم" اور "یا درست ہو جاؤ یا مٹ جاؤ" نہ کہوں، تو کیا "عادل" اور "نہ درست ہو، نہ مٹو" کہوں؟

کیا صرف اس لئے کہ ظلم طاقتور ہے اور اس کے پاس جیل ہے، اس کا حق دار ہو جاتا ہے کہ اُس کا نام بدل دیا جائے؟ میں اٹلی کے نیک اور حریت پرست جوزف میزینی (MASSINI.) کی زبان میں کہوں گا "ہم صرف اس لئے کہ تمہارے ساتھ عارضی طاقت ہے، تمہاری برائیوں سے انکار نہیں کر سکتے۔"

"جرم" کا قدیم اور ناقابل شمار ارتکاب

(۱۲) میں نہایت متعجب ہوں کہ میرے خلاف صرف یہی دو ناتمام اور ناکافی تقریریں کیوں پیش کی گئی ہیں؟ کیا ان ہزاروں صفحات سے جو میرے قلم سے نکل چکے ہیں، اور ان بے شمار تقریروں سے جن کی صدائیں ہندوستان کے ایک ایک گوشہ میں گونج چکی ہیں، صرف یہی سرمایہ گورنمنٹ بہم پہنچا سکی؟ میں اقرار کرتا ہوں کہ میری کوئی تقریر گذشتہ دو سال کے اندر ایسی نہیں ہوئی ہے جس میں یہ تمام باتیں میں نے بیان نہ کی ہوں۔

میں متصل بارہ سال سے اپنی قوم و ملک کو آزادی و حق طلبی کی تعلیم دے رہا ہوں میری ۱۸ برس کی عمر تھی جب میں نے اس راہ میں تقریر و تحریر شروع کی۔ میں نے زندگی کا بہترین حصہ یعنی عہد شباب صرف اسی مقصد کے عشق میں قربان کر دیا ہے اسی کی خاطر چار سال تک نظر بند رہا، مگر نظر بندی میں بھی میری ہر صبح و شام اسی کی تعلیم و تبلیغ میں بسر ہوئی "رانچی" کے در و دیوار اس کی شہادت دے سکتے ہیں۔ جہاں میں نے نظر بندی کا زمانہ بسر کیا ہے۔ یہ تو میری زندگی کا دائمی مقصد ہے۔ میں صرف اسی ایک کام کے لئے جی سکتا ہوں:

اِنَّ صَلَاتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِین!

آخری اسلامی تحریک

(۱۳) میں اس "جرم" سے کیونکر انکار کرسکتا ہوں جبکہ میں ہندوستان کی اس آخری "اسلامی تحریک" کا داعی ہوں، جس نے مسلمانان ہند کے پولیٹکل مسلک میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اور بالآخر وہاں تک پہنچا دیا جہاں آج نظر آرہے ہیں۔

یعنی اُن میں سے ہر فرد میرے اس جرم میں شریک ہو گیا ہے۔ میں نے سنہ ۱۹۱۲ء میں ایک اُردو جرنل "الہلال" جاری کیا جو اس تحریک کا آرگن تھا، اور جس کی اشاعت کا تمام تر مقصد وہی تھا جو اوپر ظاہر کر چکا ہوں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ الہلال نے تین سال کے اندر مسلمانانِ ہند کی مذہبی اور سیاسی حالت میں ایک بالکل نئی حرکت پیدا کر دی۔ پہلے وہ اپنے ہندو بھائیوں کی پولیٹکل سرگرمیوں سے نہ صرف الگ تھے، بلکہ اس کی مخالفت کے لئے بیوروکریسی کے ہاتھ میں ایک ہتھیار کی طرح کام دیتے تھے۔ گورنمنٹ کی تفرقہ انداز پالیسی نے انہیں اس فریب میں مبتلا کر رکھا تھا کہ ملک میں ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے، ہندوستان اگر آزاد ہو گیا تو ہندو گورنمنٹ قائم ہو جائے گی۔ مگر الہلال نے مسلمانوں کو تعداد کی جگہ ایمان پر اعتماد کرنے کی تلقین کی، اور بے خوف ہو کر ہندوؤں کے ساتھ مل جانے کی دعوت دی۔ اسی سے وہ تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کا نتیجہ آج متحدہ تحریک خلافت و سوراج ہے۔ بیوروکریسی ایک ایسی تحریک کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے پہلے الہلال کی ضمانت ضبط کی گئی۔ پھر جب "البلاغ" کے نام سے دوبارہ جاری کیا گیا تو سنہ ۱۹۱۶ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے مجھے نظر بند کر دیا۔

میں بتلانا چاہتا ہوں کہ "الہلال" تمام تر "آزادی یا موت" کی دعوت تھی اسلام کی مذہبی تعلیمات کے متعلق اس نے جس مسلک بحث و نظر کی بنیاد ڈالی،

اس کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے۔ صرف اس قدر اشارہ کروں گا کہ ہندوؤں میں آج مہاتما گاندھی مذہبی زندگی کی جو روح پیدا کر رہے ہیں، الہلال اس کام سے سنہ ۱۹۱۴ء میں فارغ ہو چکا تھا۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی نئی اور طاقتور سرگرمی اُسی وقت شروع ہوئی، جب دونوں میں مغربی تہذیب کی جگہ مذہبی تعلیم کی تحریکوں نے پوری طرح فروغ پالیا۔

خلافت کانفرنس کلکتہ

(۱۴) چار سال کے بعد پہلی جنوری سنہ ۱۹۲۰ء کو میں رہا کیا گیا۔ اس وقت سے گرفتاری کے لمحہ تک، میرا تمام وقت انہی مقاصد کی اشاعت و تبلیغ میں صرف ہوا ہے۔ ۲۸۔ ۲۹۔ فروری سنہ ۱۹۲۰ء کو اسی کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں خلافت کانفرنس کا جلسہ ہوا تھا، اور مسلمانوں نے مایوس ہو کر اپنا آخری اعلان کر دیا تھا۔

"اگر برٹش گورنمنٹ نے مطالبات خلافت کی اب بھی سماعت نہ کی، تو مسلمان اپنے شرعی احکام کی رو سے مجبور ہو جائینگے کہ تمام وفادارانہ تعلقات منقطع کر لیں"

میں اس کانفرنس کا پریسیڈنٹ تھا۔

میں نے اس کے طولانی پریسیڈنشل ایڈرس میں وہ تمام امور بہ تفصیل بیان کر دئے تھے جو اس قدر ناقص شکل میں ان دو تقریروں کے اندر دکھلائے گئے ہیں۔

موالات اور فوجی ملازمت

میں نے اسی ایڈریس میں اُس اسلامی حکم کی بھی تشریح کر دی تھی جس کی بنا پر

مسلمانوں کا مذہبی فرض ہے کہ موجودہ حالت میں گورنمنٹ سے "ترک موالات" کریں۔ یعنی کو اپریشن اور اعانت سے ہاتھ کھینچ لیں۔ یہی "ترک موالات" ہے جو آگے چل کر "نان کو اپریشن" کی شکل میں نمودار ہوا، اور مہاتما گاندھی جی نے اس کی سربراہی کی۔

اسی کانفرنس میں فوج کے متعلق وہ رزولیوشن منظور ہوا تھا، جس میں اسلامی قانون کے بموجب مسلمانوں کے لئے فوجی نوکری ناجائز بتلائی گئی تھی۔ کیونکہ گورنمنٹ اسلامی خلافت اور اسلامی ملکوں کے خلاف برسرپیکار ہے۔ کراچی کا مقدمہ اسی رزولیوشن کی بنا پر چلایا گیا۔ میں بار بار اخبارات اور تقریروں میں اعلان کر چکا ہوں کہ یہ رزولیوشن سب سے پہلے میں نے ہی طیار کیا تھا اور میری ہی صدارت میں تین مرتبہ منظور ہوا۔ سب سے پہلے کلکتہ میں۔ پھر بریلی اور لاہور میں۔ پس اس "جرم" کی تعزیر کا بھی پہلا حقدار میں ہی ہوں۔

میں نے اس اڈرس کو مزید اضافہ کے بعد کتاب کی شکل میں بھی مرتب کیا، جو انگریزی ترجمہ کے ساتھ بار بار شائع ہو چکا ہے۔ اور گویا میرے "جرائم" کا ایک تحریری ریکارڈ ہے۔

میری زندگی سرتاسر ۱۲۴ ہے

(۱۵) میں نے گزشتہ دو سال کے اندر تنہا اور مہاتما گاندھی کے ساتھ تمام ہندوستان کا بار بار دورہ کیا۔ کوئی شہر ایسا نہیں ہے جہاں میں نے خلافت، پنجاب، سوراج، اور نان کو اپریشن پر بار بار تقریریں نہ کی ہوں، اور وہ تمام باتیں نہ کہی ہوں جو میری ان دو تقریروں میں دکھلائی گئی ہیں۔

دسمبر ۲۰ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ آل انڈیا خلافت کانفرنس کا بھی اجلاس ہوا، اپریل ۲۱ء میں جمعیۃ العلماء کا بریلی میں جلسہ ہوا، گزشتہ اکتوبر میں یو۔ پی پراونشیل خلافت کانفرنس آگرہ میں منعقد ہوئی، نومبر میں آل انڈیا علماء کانفرنس کا لاہور میں اجلاس ہوا۔ ان تمام کانفرنسوں کا بھی میں ہی صدر تھا۔ لیکن ان میں بھی تمام مقررین نے جو کچھ کہا، اور صدارتی تقریروں میں میں نے جو خیالات ظاہر کئے اُن سب میں وہ تمام باتیں موجود تھیں، جو ان دو تقریروں میں دکھلائی گئی ہیں۔ بلکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ ان سے بہت زیادہ قطعی و واضح خیالات ظاہر کئے گئے تھے!

اگر میری ان دو تقریروں کے مطالب دفعہ ۱۲۴۔ الف کا جرم ہیں، تو میں نہیں سمجھتا کہ صرف پہلی اور پندرہویں جولائی ہی کا ارتکاب کیوں منتخب کیا گیا ہے؟ میں تو اس کثرت کے ساتھ اس کا ارتکاب کر چکا ہوں کہ فی الواقع اس کا شمار میرے لئے ناممکن ہو گیا ہے۔ مجھے کہنا پڑے گا کہ میں نے گزشتہ سالوں کے اندر بجز ۱۲۴۔ الف کے اور کوئی کام ہی نہیں کیا!

نان وائلنس نان کوآپریشن

(۱۶) ہم نے آزادی اور حق طلبی کی اس جنگ میں "نان وائلنس نان کوآپریشن" کی راہ اختیار کی ہے۔ ہمارے مقابلے میں طاقت اپنے تمام جبر و تشدد اور خونریز وسائل کے ساتھ کھڑی ہے لیکن ہمارا اعتماد صرف خدا پر ہے اور اپنی غیر مختتم قربانی اور غیر متزلزل استقامت پر۔ مہاتما گاندھی کی طرح میرا یہ اعتقاد نہیں ہے

کہ کسی حال میں بھی ہتھیار کا مقابلہ ہتھیار سے نہیں کرنا چاہیئے۔ اسلام نے جن حالتوں میں اس کی اجازت دی ہے، میں اسے فطرۃ الٰہی اور عدل و اخلاق کے مطابق یقین کرتا ہوں، لیکن ساتھ ہی ہندوستان کی آزادی اور موجودہ جدوجہد کے لئے مہاتما گاندھی کے تمام دلائل سے متفق ہوں، اور اُن دلائل کی سچائی پر پورا اعتقاد رکھتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ ہندوستان نان وائلینس جدوجہد کے ذریعہ فتح مند ہو گا اور اس کی فتح مندی اخلاقی و ایمانی طاقت کی فتح مندی کی ایک یادگار مثال ہو گی۔

یہی وجہ ہے کہ میں نے ہمیشہ لوگوں کو باامن جدوجہد کی تلقین کی اور اس کو کامیابی کی سب سے پہلی شرط قرار دیا۔ خود یہ تقریریں بھی اسی موضوع پر تھیں جیسا کہ پیش کردہ نقول سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ میں اُن چند مسلمانوں میں سے ہوں جو سچا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر انہوں نے نہایت مضبوطی کے ساتھ مسلمانوں کو باامن جدوجہد پر قائم نہ رکھا ہوتا، تو نہیں معلوم، مسئلہ خلافت کی وجہ سے ان کا صبر آزما اضطراب کیسی خوفناک شکل اختیار کر لیتا؟ کم از کم ہندوستان کے ہر حصہ میں ایک "مالیبار" کا منظر تو ضرور نظر آجاتا۔

سی۔آئی۔ڈی کے رپورٹر

(۱۷) اب جبکہ میں ان دو تقریروں کے تمام اُن حصوں کا اقرار کر چکا ہوں جن سے

پراسیکیوشن استدلال کرسکتا ہے، تو کوئی مضائقہ نہیں، اگرچند الفاظ ان کی پیش کردہ صورت کی نسبت بھی کہدوں۔

سی۔آئی۔ڈی کے گواہوں نے بیان کیا ہے کہ میری تقریروں کے نوٹس بھی لئے گئے اور مختصر نویسی کے ذریعہ بھی قلمبند کی گئیں جو کاپی داخل کی گئی ہے (اگزویٹ اے۔اور۔سی) وہ مختصر نویس کی مرتب کی ہوئی ہے، لیکن یہ میری تقریروں کی ایک ایسی مسخ شدہ صورت ہے کہ اگرچند ناموں اور واقعات کی طرف اشارہ نہ ہوتا تو میرے لئے شناخت کرنا بھی بہت مشکل تھا۔ وہ بلاشبہ ایک چیز ہے جو دور تک پھیلتی ہوئی چلی گئی ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ کیا چیز ہے؟ محض بے جوڑ، بے تعلق، اور اکثر مقامات پر بے معنی جملے ہیں، جو بغیر کسی ربط اور سلسلہ کے صفحوں پر بکھیر دیئے ہیں گرامر اور محاورہ دونوں سے انہیں یکقلم انکار ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ رپورٹر تقریر سمجھنے اور قلمبند کرنے سے عاجز تھا۔ اس لئے درمیان سے جملوں کے جملے چھوڑتا جاتا ہے، اور تمام حروف ربط و تعلیل تو بالکل ہی حذف کردیئے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تمام وہ الفاظ جن کی آواز یا اسپلنگ (اِملا) میں ذرا سا بھی تشابہ ہے، بالکل ہی بدل گئے ہیں اور عبارت یا تو بے معنی ہوگئی ہے یا محرف،

مثلاً میں نے یکم جولائی کی تقریر میں مشہور فرینچ شاعر اور ادیب وکٹر ہیوگو کا قول نقل کیا تھا:

"آزادی کا بیج کبھی بار آور نہیں ہو سکتا جب تک ظلم کے پانی سے اُس کی آبیاری نہ ہو"

مختصر نویس نے "ظلم" کی جگہ "دھرم" لکھ دیا ہے جو صریح غلط اور

بے موقعہ ہے - البتہ اس کی آواز "ظلم" سے مشابہ ہے -

اسی طرح ایک مقام پر ہے:

"انہوں نے جیل خانے کی مصیبت کو برباد کیا ہے"

حالانکہ مصیبت کو برباد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے - غالباً میں نے "برداشت کیا ہے" کہا ہوگا - یعنی انہوں نے جیل کی مصیبت جھیل لی ہے - چونکہ دونوں لفظوں کی آواز ملتی جلتی ہے اور مختصر نویس خود فہم و امتیاز سے محروم ہے، اس لئے "برداشت" کی جگہ "برباد" لکھ گیا!

اُردو مختصر نویسی

اصل یہ ہے کہ اُردو مختصر نویسی کا قاعدہ اور مختصر نویسی کی ناقابلیت دونوں ان نقائص کے لئے ذمہ دار ہیں، اُردو مختصر نویسی کا قاعدہ سنہ ۱۹۰۵ء میں کرسچین کالج لکھنؤ کے دو پروفیسروں نے ایجاد کیا - جن میں سے ایک کا نام مرزا محمد ہادی - بی - اے ہے، میں اُس وقت لکھنؤ ہی میں تھا، اس لئے مجھے ذاتی طور پر اُس کے دیکھنے اور موجدوں سے گفتگو کرنے کا بارہا اتفاق ہوا - مجھے معلوم ہے کہ اس کے موجدوں نے انگریزی علامات کو بہت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ منتقل کر لیا ہے، لیکن وہ اُردو حروف و املا کو پوری طرح محفوظ کر دینے میں کامیاب نہ ہو سکے - خود انہیں بھی اس نقص کا ایک حد تک اعتراف تھا - لیکن وہ خیال کرتے تھے کہ مختصر نویس کی ذاتی قابلیت اور حافظہ و مناسبت سے اس کی تلافی ہو جائے گی، میں اپنے ذاتی معلومات کی بنا پر کہتا ہوں کہ تجربے سے ان کا خیال درست نہ نکلا -

صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ نے ابتدائی تجربے کے لئے دو پولیس سب انسپکٹروں کو تعلیم دلائی تھی - انہوں نے سب سے پہلے آزمائشی طور پر جن پبلک

تقریروں کو قلمبند کیا، میں بتلانا چاہتا ہوں کہ وہ میری اور شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی تقریریں تھیں۔ ہم دونوں نے انجمن اسلامیہ ہردوئی کے سالانہ جلسے میں لکچر دیئے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا شبلی نے فی منٹ ساٹھ لفظوں کی رفتار سے تقریر کی تھی، اور میری تقریر فی منٹ ۷۰ سے ۹۰ تک تھی جیسا کہ خود مختصر نویسوں نے ظاہر کیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ کوئی تیز رفتار نہ تھی۔ تاہم جب انہوں نے اپنا کام مرتب کر کے دکھلایا تو بالکل ناقص اور غلط تھا۔ اس کے بعد بھی مجھے بارہا اپنی تقریروں کے قلمبند کرانے کا اتفاق ہوا، لیکن ہمیشہ ایسا ہی نتیجہ نکلا۔ ابھی حال کی بات ہے کہ خلافت کانفرنس آگرہ میں میرا زبانی پریزیڈینشل ایڈریس ایک مشاق مختصر نویس سید غلام حسنین نے قلمبند کیا جو عرصہ تک یو پی کے محکمہ سی۔ آئی۔ ڈی میں کام کرنے کے بعد مستعفی ہوا ہے۔ لیکن جب لانگ ہینڈ میں مرتب کر کے مجھے دکھلایا گیا تو اس کا کوئی حصہ صحیح اور مکمل نہ تھا۔ یہ تو اصل قاعدہ کا نقص ہے، لیکن جب اس پر مختصر نویس کی ناقابلیت کا بھی اضافہ ہو جائے، تو پھر کوئی خرابی ایسی نہیں ہے جس سے انسانی تقریر مسخ نہ کی جا سکے۔ کلکتہ اور بنگال کی مخصوص حالت نے اس نقص کو اور زیادہ پرمصیبت بنا دیا ہے۔ یہاں کے دیسی اور یوروپین افسر خود اردو زبان سے بالکل واقفیت نہیں رکھتے۔ حتیٰ کہ معمولی طور پر بول بھی نہیں سکتے۔ ان کے نزدیک ہر وہ آدمی جو انگریزی زبان سے کسی مختلف لہجہ میں آواز نکالے، اردو کا اہل ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پولیس اور عدالت ان رپورٹروں اور مختصر نویسوں کو بطور سند کے استعمال کر رہی ہے، جن بیچاروں کی استعداد پر ہمیشہ ہم لوگ تمسخر کیا کرتے ہیں۔ میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کلکتہ کی پولیس اور عدالتوں میں ایک شخص بھی اردو زبان کے لئے قابل اعتماد

نہیں ہے۔ اگر یہاں اس حقیقت کا کچھ بھی احساس ہوتا، تو صرف یہی بات بطور ایک عجیب واقعہ کے خیال کی جاتی کہ میری تقریروں کے لئے پولیس اور سی آئی ڈی کے غریب رپورٹروں کی شہادت لی جا رہی ہے! میں تسلیم کرتا ہوں کہ کم از کم یہ منظر ضرور میرے لئے تکلیف دہ ہے!

مشرقی لٹریچر اور سرکاری وسائل علم

یہ کہنا ضروری نہیں کہ میں اپنے ڈیفنس کی غرض سے ان شہادتوں کی بے اعتمادی ثابت نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو پورا پورا اقرار کر چکا۔ مقصود صرف دو باتوں کا اظہار ہے:

اوّلاً، جو سرکاری مقدمات اردو تقریر و تحریر کی بنا پر چلائے جاتے ہیں ان کے وسائل ثبوت کس درجہ ناکارہ اور ناقابل اعتماد ہیں؟

ثانیاً ہندوستان کی بیوروکریسی کی ناکامیابی اور ناموافقت۔ وہ ڈیڑھ سو برس تک حکومت کر کے بھی اس قابل نہیں ہوئی کہ ہندوستانی زبانوں کے متعلق صحیح اور مستند ذرائع سے معلومات حاصل کر سکتی۔ مجھے یاد ہے کہ جب اکتوبر ۱۹۱۶ء میں نظر بند کیا گیا، اور بہار گورنمنٹ کے حکام اور پولیس افسر (جن کو اردو زبان سے بمقابلہ بنگال زیادہ تعلق ہے) تلاشی کے لیے آئے، تو انہوں نے میری تمام کتابوں کو بھی ایک خوفناک لٹریچر سمجھ کر نہایت احتیاط کے ساتھ قبضہ میں کر لیا۔ یہ تمام کتابیں عربی اور فارسی زبان میں تھیں، اور تاریخ، فقہ، فلسفہ کا معمولی مطبوعہ ذخیرہ تھا۔ جو بازاروں میں فروخت ہوتا رہتا ہے۔ صرف ایک کتاب "مطالب عالیہ" نامی قلمی تھی جو سب سے زیادہ پر اسرار سمجھی گئی۔ لطف یہ ہے کہ ان کی فہرست ڈپٹی کمشنر کی درخواست سے مجھے ہی

مرتب کرنی پڑی - کیونکہ تفتیش جرائم کے اس پورے کمیشن میں ایک شخص بھی اس قابل نہ تھا کہ کتابوں کے ٹائٹل پیج کو صحت کے ساتھ پڑھ لیتا!

میں نے نظر بندی کے زمانے میں چار سال تک اپنی ڈاک کے لئے خود ہی سنسرشپ کے فرائض بھی انجام دئے ہیں، کیونکہ جو سرکاری افسر اس غرض سے متعیّن کیا گیا تھا، وہ اس قدر قابل آدمی تھا کہ اردو کے معمولی لکھے ہوئے خطوط بھی نہیں پڑھ سکتا تھا - وہ اکثر میری ڈاک صرف دستخط کر کے بھیج دیتا اور شب کو آکر مجھ سے اس کا ترجمہ لکھوا لیتا!

جبکہ نظر بندی میں میں اپنی ڈاک کی خود ہی نگرانی کر رہا تھا تو شملہ اور دہلی کے حکام اپنی کارفرمائی پر نہایت نازاں تھے، اور سمجھتے تھے کہ انہوں نے اپنے ایک خطرناک دشمن کو بالکل مجبور اور معطّل کر دیا ہے!

اس وقت بھی میرے قلمی مسودات کلکتہ پولیس کے قبضہ میں ہیں - ان میں سب سے زیادہ خوفناک جرم "تاریخ" "تفسیر قرآن" اور لٹریچر ہے!

میں یہاں عربی داں اشخاص کی دلچسپی کے لئے ان کتابوں کے چند نام درج کر دیتا ہوں، جنہیں نہایت خوفناک سمجھ کر پولیس نے شملہ بھیجا تھا، اور عرصہ تک سر چارلس کلیولینڈ کے حکم سے میری نظر بندی کے دیگر معاملات کی طرح ان کی بھی تحقیقات ہوتی رہی :-

فتح القدیر شرح ہدایہ - طبقات الشافعیہ سبکی - ازالۃ الخفا - کتاب الام - مدونۃ امام مالک - مطالب عالیہ امام رازی - شرح حکمۃ الاشراق شرح سلّم الثبوت

بحر العلوم۔ کتاب المستصفی۔ کتاب اللمغ۔

اصل یہ ہے کہ کسی جرم کے لئے جو لٹریچر سے تعلق رکھتا ہو، کوئی ایسی عدالت منصفانہ کارروائی نہیں کر سکتی جو ذاتی طور پر رائے قائم نہ کر سکے۔ یعنی خود اس زبان سے واقف نہ ہو۔ لیکن موجودہ بیوروکریسی علاوہ بیوروکریسی ہونے کے غیر ملکی بھی ہے، اس لئے ہر گوشہ میں اجنبی اقتدار کی غلامی کے نتائج کام کر رہے ہیں۔ عدالتیں ہندوستان کی ہیں اور ہندوستانیوں کے لئے ہیں، لیکن ان کی زبان جزیرۂ برطانیہ کی ہے، اور اکثر حالتوں میں ایسے افراد سے مرکب ہیں جو ملکی زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے!

یہی وجہ ہے کہ اب ہم اس گورنمنٹ سے اور کچھ نہیں چاہتے۔ صرف یہ چاہتے ہیں کہ جس قدر بھی جلد ممکن ہو، وہ اپنے سے بہتر اور حقدار کے لئے اپنی جگہ خالی کر دے

موجودہ حالت قدرتی ہے

(۱۸) میں جیسا کہ ابتدا میں لکھ چکا ہوں، خاتمۂ سخن میں بھی دہراؤں گا۔ آج گورنمنٹ جو کچھ ہمارے ساتھ کر رہی ہے، وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے جس کے لئے خاص طور پر اُسے ملامت کی جائے۔ قومی بیداری کے مقابلے میں مقاومت اور جبر و تشدد تمام قابض حکومتوں کے لئے طبیعت ثانیہ (سیکنڈ نیچر) کا حکم رکھتا ہے، اور ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ ہماری خاطر انسانی طبیعت بدل دی جائے گی۔

یہ قدرتی کمزوری افراد اور جماعت، دونوں میں یکساں طور پر نمود رکھتی ہے دُنیا میں کتنے آدمی ہیں جو اپنے قبضہ میں آئی ہوئی چیز صرف اس لئے لوٹا دیں گے کہ وہ اُس کے حق دار نہیں؟ پھر ایک پورے برّاعظم کے لئے ایسی امید کیونکر کی جاسکتی ہے؟ طاقت کبھی کسی بات کو صرف اس لئے نہیں مان لیتی کہ وہ معقول اور مدلّل ہے۔ وہ تو خود بھی طاقت کی نمود کا انتظار کرتی ہے، اور جب وہ نمودار ہو جاتی ہے تو پھر ناواجب سے ناواجب مطالبہ کے آگے بھی جُھک جاتی ہے۔ پس کشمکش اور انتظار ناگزیر ہے، اور ایک ایسی قدرتی بات ہے جس کو بالکل دُنیا کے معمولی اور روزمرہ کاموں کی طرح بلا کسی تعجب و شکایت کے انجام پانا چاہیئے۔

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ تاریخ نے اس بارے میں انسانی ظلم و تعدّی کے جو ہیبت ناک مناظر دکھلائے ہیں، ان کے مقابلہ میں موجودہ جبر و تشدّد کسی طرح بھی زیادہ نہیں کہا جاسکتا۔ البتّہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کمی اس لئے ہے کہ ابھی ملک کا جذبۂ قربانی ناتمام ہے، یا اس لئے ہے کہ ظلم زیادہ مکمل نہیں؟ مستقبل اس کو واضح کردے گا۔

جس طرح اس کشمکش کا آغاز ہمیشہ یکساں طور پر ہوا ہے، اُسی طرح خاتمہ بھی ایک ہی طرح ہوا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اگر ہمارا جذبۂ آزادی و حق طلبی سچّا اور اٹل ثابت ہوا، تو یہی گورنمنٹ جو آج ہمیں مجرم ٹھہرا رہی ہے، کل کو فتح مند محبّ الوطنوں کی طرح ہمارے استقبال پر مجبور ہو گی!

بغاوت

(۱۹) مجھ پر سڈیشن کا الزام عائد کیا گیا ہے، لیکن مجھے "بغاوت" کے معنی

سمجھ لینے دو۔ کیا "بغاوت" آزادی کی اُس جدوجہد کو کہتے ہیں جو ابھی کامیاب نہیں ہوئی ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں اقرار کرتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی یاد دلاتا ہوں کہ اسی کا نام قابلِ احترام حب الوطنی بھی ہے۔ جب وہ کامیاب ہو جائے۔ کل تک آئرلینڈ کے مسلح لیڈر باغی تھے لیکن آج ڈی ویلرا اور گریفتھ کے لئے برطانیہ عظمیٰ کونسا لقب تجویز کرتی ہے؟

اسی آئرلینڈ کے پارنل (PARNEL) نے ایک مرتبہ کہا تھا "ہمارا کام ہمیشہ ابتدا میں بغاوت اور آخر میں حب الوطنی کی مقدس جنگ تسلیم کیا گیا ہے"

"قانون قضا بالحق"

(۲۰) میں مسلمان ہوں اور میرے یقین کے لئے وہ بس کرتا ہے جو میری کتاب شریعت نے بتلایا ہے۔ قرآن کہتا ہے جس طرح مادہ اور اجسام میں انتخاب طبیعی (NATURALSALECTION) اور بقا، اصلح (SORYIVALOFTHE FITTEST) کا قانون جاری ہے اور فطرۃ صرف اسی وجود کو باقی رہنے دیتی ہے جو صحیح و صالح ہو ٹھیک اسی طرح تمام عقائد و اعمال میں بھی یہی قانون کام کر رہا ہے آخری فتح اسی عمل کی ہوتی ہے جو حق اور صحیح ہو اور اس لئے باقی و قائم رہنے کا حقدار ہو۔ پس جب کبھی انصاف اور نا انصافی میں مقابلہ ہوگا تو آخر کی جیت انصاف ہی کے حصہ میں آئیگی۔ واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض کذالک یضرب اللہ الامثال (۱۳: ۱۸) زمین پر وہی چیز باقی رہے گی جو نافع ہو غیر نافع چھانٹ دیجائیگی۔

یہی وجہ ہے قرآن کی اصطلاح میں سچائی کا نام "حق" ہے جسکے معنی جم جانے اور ثابت ہو جانے کے ہیں اور جھوٹ اور بدی کا نام باطل ہے، جس کے معنی

معنی ہی مٹ جانے کے ہیں: ان الباطل کان زھوقا۔ باطل تو صرف اسی لئے ہے کہ مٹ جائے!
پس آج جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا فیصلہ کل ہوگا۔ انصاف باقی رہے گا۔ ناانصافی مٹا دی جائے گی۔ ہم مستقبل کے فیصلہ پر ایمان رکھتے ہیں!

البتہ یہ قدرتی بات ہے کہ بدلیوں کو دیکھ کر بارش کا انتظار کیا جائے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ موسم نے تبدیلی کی تمام نشانیاں قبول کر لی ہیں۔ افسوس ان آنکھوں پر جو نشانیوں سے انکار کریں!

میں نے انہی تقریروں میں جو میرے خلاف داخل کی گئی ہیں، کہا تھا: آزادی کا بیج کبھی بار آور نہیں ہو سکتا جب تک جبر و تشدد کے پانی سے اسکی آبیاری نہو۔" لیکن گورنمنٹ نے آبیاری شروع کر دی ہے!

میں نے انہی میں کہا تھا "مبلغین خلافت کی گرفتاریوں پر کیوں مغموم ہو؟ اگر تم فی الحقیقت انصاف اور آزادی کے طلبگار ہو، تو جیل جانے کے لئے طیار ہو جاؤ۔ علی پور کا جیل اس طرح بھر جائے کہ اس کی کوٹھریوں میں چوروں کے لئے جگہ باقی نہ رہے۔" فی الحقیقت جگہ باقی نہیں رہی ہے۔ پریسیڈنسی اور سنٹرل جیل کا بڑا حصہ معمولی قیدیوں سے خالی کر دیا گیا۔ پھر بھی جگہ کافی نہ ہوئی۔ نیا جیل بنایا گیا۔ وہ بھی آناً فاناً بھر گیا۔ جگہ نکالنے کے لئے سیکڑوں قیدی رہا کر دئے گئے، لیکن ان سے دگنے نئے گئے۔ اب مزید نئے جیل بنائے جا رہے ہیں!

سرکاری وکیل، پولیس، اور مجسٹریٹ

(۲۱) قبل اس کے کہ میں اپنا بیان ختم کروں، اپنے اُن ہم وطن بھائیوں کی نسبت بھی ایک دو جملے کہوں گا، جو اس مقدمہ میں میرے خلاف کام کر رہے ہیں۔ میں نے اوپر کہا ہے کہ "سی۔ آئی۔ ڈی کا کام جہالت و شرارت دونوں سے مرکب ہوتا ہے"۔ یہ میں نے اس ذاتی علم کی بنا پر کہا جو بیشمار مقدمات کی نسبت مجھے حاصل ہے۔ تاہم میں تسلیم

کرتا ہوں کہ سی۔ آئی۔ ڈی کے جن آدمیوں نے میرے خلاف شہادت دی ہے انھوں نے اُس اعتماد کے سوا جو اپنے کام پر ظاہر کیا ہے، کوئی بات بھی غلط نہیں کہی ہے۔ میری تقریریں جو پیش کی گئی ہیں، ان میں بھی کوئی بات شرارت کی نہیں پاتا۔ جس قدر ان کے اغلاط اور نقائص ہیں، غالباً صرف ناقابلیت کا نتیجہ ہیں۔ ایک دو مقامات ایسے ہیں جن کی نسبت خیال کیا جا سکتا ہے کہ دانستہ خراب کر کے دکھلائے ہیں، مثلاً جہاں میں نے لوگوں کو باامن رہنے، ہڑتال نہ کرنے، ہر طرح کے مظاہرات سے مجتنب رہنے کی تلقین کی ہے، وہ بقیہ حصوں سے بھی زیادہ اُلجھے ہوئے اور بے ربط ہیں۔ متعدد مقامات پر "امن" کو "ایمان" کر دیا ہے جو وہاں بالکل بے ربط ہے۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی قاعدہ کے نقص اور ذاتی ناقابلیت کی وجہ سے ہے نہ کہ شرارت سے۔

البتہ میرا یقین ہے کہ انھوں نے اپنے کام پر جو اعتماد ظاہر کیا ہے، اور جس غرض سے یہ کام انجام دیا ہے، وہ ضرور معصیت ہے۔ لیکن ساتھ ہی مجھے اُن کی کمزوری بھی معلوم ہے وہ محض چند روپیوں کی نوکری کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں، اور اتنا قوی ضمیر نہیں رکھتے کہ سچائی کو ہر بات پر ترجیح دیں۔ پس میرے دل میں ان کے لئے کوئی رنج اور ملامت نہیں ہے۔ میں اس کام کے لئے اُنہیں معاف کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ خدا بھی معاف کر دے۔

پبلک پراسیکیوٹر بھی جو ان مقدمات میں کام کر رہا ہے، میرا ایک ہم وطن بھائی ہے۔ اسکی ضمیر یا رائے میرے سامنے نہیں ہے محض مزدوری ہے، جو اس کام کے لئے وہ گورنمنٹ سے حاصل کرتا ہے۔ پس اس کی طرف سے بھی میرے دل میں کوئی رنج نہیں۔ البتہ میں ان سب کے لئے وہی دعا مانگوں گا جو پیغمبر اسلام نے ایک موقعہ پر مانگی تھی: "خدایا ان پر راہ کھول دے کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں؟"

فاقض ما انت قاض

میں مجسٹریٹ کی نسبت بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ سزا جو اسکے اختیار میں ہے بلا تامل مجھے دیدے۔ مجھے شکایت یا رنج کا کوئی احساس نہ ہوگا میرا معاملہ پوری مشینری سے ہے کسی ایک پرزے سے نہیں ہے میں جانتا ہوں کہ جبتک مشین نہیں بدلے گی پرزے اپنا فعل نہیں بدل سکتے۔

میں اپنا بیان اٹلی کے قتیل صداقت گارڈ نیوبرونو کے لفظوں پر ختم کرتا ہوں جو میری ہی طرح عدالت کے سامنے کھڑا کیا گیا تھا "زیادہ سے زیادہ سزا جو دیجا سکتی ہے بلا تامل دیدو۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ سزا کا حکم لکھتے ہوئے جسقدر جنبش تمہارے دل میں پیدا ہوگی اُس کا عشر عشیر اضطراب بھی سزا سنکر میرے دل کو نہ ہوگا"

خاتمہ

مسٹر مجسٹریٹ! اب میں اور زیادہ وقت کورٹ کا نہ لونگا۔ یہ تاریخ کا ایک دلچسپ اور عبرت انگیز باب ہے جسکی ترتیب میں ہم دونوں یکساں طور پر مشغول ہیں ہمارے حصہ میں یہ مجرموں کا کٹھرا آیا ہے۔ تمہارے حصہ میں وہ مجسٹریٹ کی کرسی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کام کیلئے وہ کرسی بھی اتنی ہی ضروری چیز ہے جسقدر یہ کٹھرا۔ آؤ اس یادگار اور افسانہ بننے والے کام کو جلد ختم کردیں۔ مورخ ہمارے انتظار میں ہے اور مستقبل کب سے ہماری راہ تک رہا ہے ہمیں جلد جلد یہاں آنے دو اور تم بھی جلد جلد فیصلہ لکھتے رہو ابھی کچھ دنوں تک یہ کام جاری رہیگا۔ یہانتک کہ ایک دوسری عدالت کا دروازہ کھلجائے یہ خدا کے قانون کی عدالت ہے۔ وقت اُس کا جج ہے وہ فیصلہ لکھے گا اور اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا! والحمد للہ اولاً و آخراً۔

احمد

۱۱ر جنوری سنہ ۱۹۲۲ء
پریسیڈنسی جیل علی پور کلکتہ

(ابوالکلام آزاد)

خلافت کی کامیابی اور ہندوستان کی آزادی

کے لئے حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ ضروری ہی۔ جلد طلب کیجئے ورنہ گورنمنٹ کے دست تشدّد سے اور کتابوں کی طرح ان سے بھی آپ محروم رہجاویں گے۔

تصانیف مولانا محمد علی صاحب

تقاریر محمد علی صاحب حصّہ اوّل	۸ر
" " حصّہ دوم	۸ر
خطبہ مولانا محمد علی صاحب	۵ر
تقریر مدراس	۳ر
جذبات جوہر	۲ر
بیان کراچی	۴ر
خطوط جیل علی برادران	۲ر

مضامین لالہ لاجپت رائے

مجموعہ مضامین لالہ لاجپت رائے حصّہ اوّل	۸ر
" حصّہ دوم (زیر طبع)	۸ر
غلامی کی علامتیں اور غلامی کے نتائج	۲ر
قومی تعلیم	۳ر
پالٹکس	۴ر

تصانیف مولانا عبدالماجد صاحب

درس خلافت	۸ر
الاظہار	۸ر
المکتوب	۸ر

متفرق اصحاب

تقاریر ظفر علی	۹ر
اسیر مالٹا کا پیغام	۹ر
دُنیائے اسلام اور خلافت	۴ر
سمرنا کی خونی داستان	۳ر
مقدمہ کراچی مکمّل	عہ
خطبہ مولانا آزاد سبحانی	۲ر
جذبات حرّیت	۸ر
مضامین مہاتما گاندھی جی حصّہ اوّل	۱۰ر
" سوراج	۸ر

احمد آباد کانگریس مسلم لیگ۔ خلافت کانفرنس۔ اسٹوڈنٹ کانفرنس وغیرہ کے مفصّل حالات مرقعہ اجتماعات احمد آباد میں دیکھئے جس میں مولانا حسرت موہانی کا مشہور خطبہ صدارت بھی درج ہی ۱۰ر

مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

جدید تصانیف مولانا ابوالکلام صاحب آزاد

مجموعہ مضامین مولانا ابوالکلام صاحب آزاد

حصّہ دوم اور حصّہ سوم ابھی تیار ہوئے ہیں جن حضرات نے حصّہ اوّل دیکھا ہی وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حصہ دوم اور سوم کیسے ہونگے۔ دونوں حصّوں کے مضامین قابل دید ہیں۔ حصّہ دوم ۱۲ر حصّہ سوم ۱۲ر

بیان مولانا ابوالکلام صاحب آزاد

ہندوستان کا تاریخی بیان جو مولانا نے اپنے مقدمہ میں دیا۔ عمدہ کاغذ پر ۴ر

تازہ مضامین ابوالکلام صاحب آزاد

حضرت مولانا کے ۱۹۲۱ء کے تمام مضامین کا مجموعہ ۱۰ر

جہاد اور اسلام

مسئلہ جہاد۔ قربانی۔ حقیقتِ اسلام۔ اُسوۂ ابراہیمی وغیرہ پر مفصّل بحث ۶ر

صدائے حق

الامر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تشریح۔ احکامِ خداوندی کی تفصیل۔ اعلانِ حق ۸ر

دعوتِ حق

تاریخ اسلام سے اعلانِ حق کی مثال۔ دربار مامون الرشید کا واقعہ۔ تاریخ عہد عباسیہ کا ایک صفحہ

مضامین ابوالکلام آزاد حصّہ اوّل	۱۰ر	دعوتِ عمل	۸
خطبۂ صدارت تقریری جلسہ لاہور	۶ر	ہندوستان پر حملہ	۳
خطبۂ صدارت تحریری جلسہ لاہور	۶ر	تعلیمی ترکِ موالات کا مقصد	۱
الحریت فی الاسلام	۱۲ر	حزب اللہ	۱۲
اتحادِ اسلامی مشہور تقریر	۳ر	خطباتِ سیاسیہ	۸

مشتاق احمد ناظم قومی دار الاشاعت۔ محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ